بیلہ میں میلہ

جہانگیر بک ڈپو، کھاری باؤلی دہلی

غدر کی ماری شہزادیاں

یا

بیلہ میں میلہ

غدر ۱۸۵۷ء دہلی کی لٹی ہوئی شہزادیوں کی درد انگیز داستان

جسے

مصوّر غم حضرت علاّمہ راشد الخیری مرحوم

نے

اپنے مخصوص رنگ میں تحریر فرمایا

قیمت ~~Rs.1.50~~

(سود لیتھو پرنٹنگ پٹودی ہاؤس دہلی)

فہرست

۱	گوہری تمبو	صفحہ	9
۲	شہزادی مظفر سلطان بیگم کی سرگذشت	″	۱۲
۳	شہزادی زہرہ بیگم کی آپ بیتی	″	۲۲
۴	شہزادی قمر آرا بیگم کی سرگذشت	″	۳۱
۵	شہزادی قیصر جہاں بیگم کی آپ بیتی	″	۴۸
۶	شہزادی برجیس دلہن کی آپ بیتی	″	۵۴
۷	ننھی حیدری کی آپ بیتی	″	۶۸
۸	قمر جہاں کی داستان	″	۷۳

ناشر

کتب خانہ نذیریہ

اردو بازار۔ جامع مسجد دہلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کل رات کو جب حسینہ ارضی چادر مہتاب میں لپٹی بے خبر پڑی سوتی تھی، دل وحشی رنگ لایا، چاند کی روشن شعاعیں تیر کی طرح آنکھوں میں گھسیں، دماغ نے راحت و سکون کے بجائے یاد رفتگاں پر رجوع کیا اور آنکھیں زندہ دنیا میں بچھڑی ہوئی صورتوں کی تلاش کرنے گئیں۔ تارے آدھی رات کا نقارہ بجا چکے تھے آہستہ سے اٹھا اور خاموشی سے چلا اور ایک بجے کے قریب اس جسد خاکی کو مہندیوں میں پہنچا دیا۔

دل رو رہا تھا مگر آنکھ خاموش تھی کائنات سو رہی تھی لیکن چاند مصروف کار تھا مہندیوں کا وسیع میدان جہاں کوسوں زندہ انسان کا نشان نہیں دلی کا مشہور قبرستان ہے مولانا شاہ عبدالعزیزؒ کا مقتدر خاندان اسی سرزمین

میں محو خواب ہے راستہ آتش ماہ سے دہک رہا تھا اور خواب گاہ نیم کی خوشبو سے پرست و معطر تھی۔ درگاہ میں داخل ہوا تو شکستہ آثار اور کالی کلوٹی دیواریں مسلمانوں کے احساس کی تفسیر کر رہی تھی ایک خاندان کے ان سات بزرگوں کی آرام گاہ مولانا شاہ ولی اللہ۔ مولانا شاہ عبدالقادر مولانا شاہ عبدالرحیم۔ مولانا شاہ عبدالعزیز۔ مولانا شاہ رفیع الدین مولانا شاہ محمد اسحٰق اور وہ محترم ماجس کے پیٹ سے یہ لال پیدا ہوئے آج پردۂ دنیا پر یگانہ روزگار ہے سات سہیلیوں کا آسمانی گچھا ہر رات ان کے مقدس نام چومتا ہوا نمودار ہوتا ہے ہوا ان کے کارناموں کو گنوا کر ان پھولوں کو جو تناور درختوں کی سرسبز پتیوں نے ان کے مبارک مزاروں پر چڑھائے صاف کر رہی تھی۔

میں دلی کا رہنے والا ہوں جوانی کی سیاہی اسی سرزمین پر بڑھاپے کی سفیدی سے بدلی بارہا میتوں کے ساتھ بھی اور فاتحہ کی غرض سے بھی جانے کا اتفاق ہوا ہے مگر آج تک اس چبوترے پر چڑھنے کی ہمت نہیں پڑی تاریخ جس وقت مملکت علوم کے ان تاجداروں اور مذہب اسلام کے ان خدمت گزاروں کی حکومت اور خدمت سامنے لاتی ہے تو جسم کانپ جاتا ہے اور اقلیم سخن کے ان شہنشاہوں کا جلال پاؤں میں زنجیر بن کر پڑ جاتا ہے ٹھرا جاتا ہوں اور دور سے اس جھنڈے کو سلام کرتا ہوا الٹے پاؤں واپس ہوتا ہوں جو ان مبارک ہاتھوں نے اسلام کی حمایت میں گاڑا اور جو آج بھی اتنا مستحکم و استوار ہے کہ انقلاب زمانہ کی زبردست سے زبردست آندھی اس کو جگہ سے نہیں سرکا سکتی۔

درگاہ سے باہر نکلا تو کچی پکی قبریں ٹوٹی پھوٹی دیواریں الٹے سیدھے

تعویذ مسلمانوں کی حالت کا آئینہ تھے ان کی صورتیں دیکھتا ہوا باہر نکلا ابر کے تکئے سے آگے بڑھ کر کوٹلہ میں دم لیا اور پھرتا پھراتا اُس جگہ پہنچا۔ جو بیلہ روڈ کہلاتی ہے۔

بیلہ روڈ ترقی جہاں آباد کا ایک شعبہ ہے برقی لالٹینیں جگمگا رہی تھیں سڑک موتی کی طرح صاف وشفاف دونوں طرف خوشنما کوٹھیوں کی قطار پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو اور کبھی کبھی ایک ہلکی سی آواز کسی چوکیدار یا برقنداز کی۔

بیلہ روڈ کا بورڈ پڑھتے ہی پرانی دلی یاد آ گئی اور بیلے کی اصل تصویر آنکھوں کے سامنے تھی بیلا سرکنڈوں کا ایک گھنہ دار جنگل پچاس سال پہلے جمنا کے کنارے دور تک چلا گیا تھا۔ یہاں دلی والوں کی کبڈی اور آنکھ مچولی کے تماشے میری آنکھوں نے بھی دیکھے ہیں اور جو رنگ میں دیکھ چکا ہوں جہاں آباد ہزار بار اُجڑے اور بسے مگر وہ چیز ختم ہو چکی۔

دل بدبخت کی کیفیت الفاظ میں کیونکر ادا کروں۔ چاند آسمان کی گود میں اٹھکھیلیاں کر رہا تھا اور تارے بساط فلک پر اپلے گیلے پھر رہے تھے میں بھی وہی تھا اور آسمان بھی وہی لیکن ہائے زمین وہ نہ تھی۔ بیلا اُجڑ چکا تھا، سرکنڈوں کی جھاؤں غارت اور پرندوں کے آشیانے تباہ وتاراج ہو چکے تھے آنکھوں نے بمبود کی طرف اس جمنا کو دیکھا جس کے پانی کو دونوں نہیں برسوں بوسے دئے تھے مگر آہ جمنا کہاں! وہ نہروں میں تقسیم ہو کر اب ایک تالاب رہ گئی تھی دل جس کو ڈھونڈھ رہا تھا اس کا کوسوں پتہ نہ تھا۔

اس وقت پچاس برس پہلے کی ایک صحبت یاد آتے ہی کلیجہ پر سانپ

لوٹ گیا۔ میں اور میرے پھوپی زاد بھائی مولوی اشرف حسینؒ ایک شام کو مولوی نذیر احمد مرحوم کے ہمراہ گاڑی میں جا رہے تھے منشی ذکاء اللہ مغفور بھی ساتھ تھے موری دروازہ کے پاس پہونچے تو معلوم ہوا کہ کھولو شاہ (بو علی شاہ قلندر) کی لبنت ہے۔ جمعرات کا دن تھا دلی نئی نئی تاراج تھی مگر دلی والے آٹھویں دن پیر غیب پر جمع ہو کر اجڑی ہوئی دلی کی فاتحہ پڑھ لیتے تھے ہم دونوں بھائی مولانائے مرحوم کے شاگرد تھے۔ گاڑی ایسی جگہ پہنچی جہاں دلی کا مشہور بین نواز رحمت اپنے فن کا کمال دکھا رہا تھا میں نے دیکھا کہ مولانا کی استادانہ حیثیت رحمت کے مقابلہ میں مغلوب ہو رہی ہے جو کمزور ہوتے ہوتے اس حد تک پہنچی کہ استاد مرحوم نے گاڑی رکوادی۔

دلی اے دلی تیری خاک سے کیسے کیسے باکمال پیدا ہوئے اور تیرے ٹوٹے پھوٹے کھنڈروں میں فنون کے کیسے کیسے تاجدار دفن ہیں جنکی روشنی میں دنیا جگمگا گئی۔ کجا مولوی نذیر احمد اور منشی ذکاء اللہ اور کجا رحمت بین نواز مگر حق یہ ہے کہ کمال اتنا تو ہو کہ کلیجہ توڑ دے دونوں بزرگ تڑپ اٹھے یہ خبر نہیں کہ کیا دیا مگر نقد بھی دیا اور داد بھی دی۔

گاڑی عصر کے بعد گھر لوٹی اور ہم دونوں بھائی اپنے چند دوستوں کے ساتھ شاموں شام پیر غیب پہنچے۔

کیونکر دکھاؤں کہ کیا دیکھا بیلے میں میلہ اور جنگل میں منگل ہو رہا تھا آج جہاں بجلی کے خاموش قمقموں پر اُلو بول رہا ہے یہاں دور تک دکانوں کا تانتا تھا۔ تنبو تنے ہوئے ڈیرے پڑے ہوئے، خیمے گڑے ہوئے

لہ جنھوں نے مثنوی میر حسن کو ایڈیٹ کیا ہے۔

ہنڈ د لٹکے ہوئے تن زیب کے مہین مہین انگرکھے، کندھوں پر بسنتی دو شالے" صورتیں، سرخ و سفید چہرے، جو تھا وہ ہنستا بولتا اچھلتا کودتا مگن چلا جا رہا تھا۔

آج ان صورتوں کا خیال آتے ہی دل بیٹھ جاتا ہے۔ سستا سماں بے فکری کے دن، من بھر کے گیہوں، چار پیسے سیر دودھ، اور دودھ بھی کیسا ملائی کے گھونٹ دن بھر کا اونٹا ہوا، آدھ سیر دودھ میں آدھا سے زیادہ ردلی کی روٹی ملائی دو گھونٹوں میں جی خوش ہو گیا۔ یہ تھیں غذائیں جو آدمی کو آدمی بناتی تھیں آج کے دلی والوں کو دیکھتا ہوں سوکھے چہیچی دھان پان آنکھوں میں حلقے، گلوں میں گڑھے رزق کے مارے خوراک کو محتاج، دودھ کو ترستے، گھی کو پھڑکتے۔

میں اس کو بھی با غنیمت سمجھتا ہوں کہ شہر کے صاحب کمال اپنے ساتھ ہی اپنے قدرداں بھی ختم کر گئے اور آج کا بیان داستان شب سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا جس وقت کا یہ ذکر ہے ان دنوں آدھی رات کے وقت شہر میں ایک صدا گونجتی تھی۔

"شیدی کنور کے باغ کا دانہ"

یہ ایک خوش الحان کنجڑا تھا جو بجے رات کو شیدی قنبر کے باغ سے کھوروں کا چھبالے کر اٹھتا تھا۔ رات کے سناٹے میں جب اس کی آواز بعنبیری کی طرح جھومتی تھی تو لوگ پروانوں کی طرح گرتے تھے اسی طرح نوچندی جمرات کو بڑیوں کے کٹرہ میں عشا کے وقت حنا کی اس آواز میں ایک خاص امتیاز تھا۔

"لپٹیں آ رہی ہیں موتیا کی"

ہم آگے بڑھے تو شہزادہ مرزا محمد اشرف گورگانی بی، اے آئے۔ ان سے باتیں ہو رہی تھیں کہ پھولوں کی آواز کان میں آئی اور مرزا نے کہا۔

"شہزادی گونج رہی ہے"۔

اُدھر پہنچے تو بیگم ایک عجیب انداز سے پھول بیچ رہی تھی۔ پٹاپٹی کے گبے۔ تربی ہوئی کنکری کناڈ کی جھاڑیں چھپیوں پر پڑی ہوئی۔ لوٹے کا حقہ منہ سے لگا ہوا نیچے پھول مہک رہے ہیں، اوپر پنجرے میں اگن لہک رہا ہے ادھر پھولوں کی خوشبو ہے ادھر تنباکو کی سانسے قلعی دار پاندان ہے برابر میں کوری صراحی" الغرض نفاست اس کی حالت پر اور شرافت اس کی صورت پر قربان ہو رہی ہے بڑھاپے کی حدود میں سرخ و سپید رخساروں کی جھریاں با آواز بلند قصر شباب کی بہار سنا رہی تھیں۔ میں بیگم کے نام سے تو واقف تھا مگر خبر نہ تھی کہ بڑھیا گلفروش کے منہ سے بھی پھول جھڑتے ہیں۔ میر محفوظ علی جو ہمارے ساتھ تھے اور ہم میں شاید سب سے بڑے تھے ٹھٹک گئے اور کہنے لگے۔

"بیگم! آواز کا کڑاکا اب بھی غضب ڈھا رہا ہے"۔

بیگم کے خاموش چہرے پر مسکراہٹ کھلنے لگی اس نے مونڈھوں کو ٹھیک کیا اور کہا" آؤ سید بیٹھو" جب ہم بیٹھ گئے تو بیگم نے جواب دیا۔

"سید بادشاہ! اب کڑاکا کہاں، جوانی اپنے ساتھ سارا کس بل لے گئی رہا سہا عذر نے مجبور کر دیا، ہاتھ پاؤں میں سکت نہیں، بدن میں جان نہیں، ڈاڑھیں نکل گئیں، دانت جھول آئے، بدن کا سکھ، جوانی نے توڑا، ڈھانچ رہ گیا ہے چاروں طرف لئے پھرتی ہوں پرسوں چچا کالے

ملے تھے۔ مرزا کا طنطنہ یاد ہے؟ محلے والوں کی روح فنا ہوتی تھی۔ جدھر نکل گئے قیامت آگئی۔ تھانے دار اور کوتوال تک پناہ مانگتے تھے اب دیکھو کیا رنگ ہے کمر جھک گئی طباق سا چہرہ، سیپی اور جھاج سا سینہ، انتکارہ گیا۔ وہ چونچالی اور خوشحالی سب ہوا ہوئی جس نے نوسن کی مگدر کی جوڑی پھول کی طرح اٹھالی آج پان سیر وزن اٹھانے میں ہانپ رہا ہے! بادشاہ یہ سب طاقت اور جوانی کے کھیل ہیں۔ ہمیشہ رہے نام اللہ کا۔"

"آج کہرام ہے یہ سامنے والا تنبو دیکھا شہزادیوں کا ہے بادشاہ کی بھتیجی گوہر آرا بیگم آئی ہیں اور سہیلیوں کو جمع کیا ہے سب اپنی اپنی غدر کی داستانیں سنائیں گی بڑی سرکار ربیعہ بیگم جہاں پناہ کی صاحبزادی بھی آئی ہیں اذن عام ہے جو چاہے شریک ہو۔

گوہری تنبو کے سامنے والا میدان آدمیوں سے پٹا پڑا ہے بستی قمقمے ڈال ڈال اور پات پات جگمگا رہے ہیں قندیلیں روشن ہیں چراغ جل رہے ہیں اور کافی شمعیں ان حضرت نصیب ٹھڑیوں پر آنسو بہا رہی ہیں گوہر آرا بیگم کی بچھڑی ہوئی سہیلیاں جو کبھی پھولوں میں تلتی تھیں اور اب پیوندوں میں ڈھکی ہوئی ہیں اس غرض سے جمع ہوئی ہیں کہ ان بدبختوں پر فاتحہ پڑھیں جن کو وقت نے کھو کا یہاں موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ جب شمع ان مہمانوں بیویوں کی ترستی ہوئی آنکھوں کو زندہ صورتیں دکھا چکی اور ایثار مصائب کی یاد نے جو قیامت برپا کی تھی وہ ختم ہوئی تو دل ان کھڑوں کو ڈھونڈنے لگا جو جیتے جاگتے خاک و خون میں نہائے

آنکھیں ڈھاڑیں مار مار کر روئیں اور دماغوں نے نام لے لے کر پکارا مگر زندگی کی گھڑیاں اس تماشے کو روندتی ہوئی آگے بڑھیں۔ آنے والوں کی مسرت نے جانے والوں کی یاد دل سے بھلا دی۔ فانوس بزم احباب کو منور کر رہے تھے محبت کا دور جاری تھا اور پھولوں کی خوشبو ہوا کو معطر کر رہی تھی کہ مہماں نواز خاتون نے مہمانوں کا شکریہ ادا کیا!

آج بیلا اور بیلے کے مہمان دونوں اُجڑ چکے شہزادیوں کی بزم اور اس کے دور ختم ہوئے وہ رات فجر ہوئی اور اس کے بعد لاتعداد راتیں سر پر آئیں اور گئیں مگر اس رات کا سماں آج تک آنکھوں میں سمایا ہوا ہے اور اب موت کے سوا اس جلسے کو بھلانے والی دوسری چیز نظر نہیں آتی۔

شاہجہاں آباد اگر تاراج نہ ہو چکا ہوتا تو بیلے کی یہ رات حق رکھتی تھی کہ اس کا ایک ایک لمحہ دلی والوں کے سر آنکھوں پر ہوتا تاریخ ان قیامت خیز واقعات کی پرستش کرتی اور انسانیت کی آنکھیں ان مصیبت ماروں پر جن کی داستان نے سننے والوں کے کلیجے دہلا دیے۔ محبت کے آنسو گرائیں۔ مگر وقت نے شہر کو اور شہر کے ساتھ شہر والوں کو اس طرح تباہ کیا تھا کہ عقل و ہوش سب رخصت ہو چکے تھے۔ یہ بھی چند زندہ دلوں کا طفیل تھا کہ زندے مردے کے ذکرے مٹی ہوئی زندگیوں کو تازہ کر رہے تھے میں نے کھوتو شاہ کی اس لبنت میں جو صورتیں دیکھی تھیں اب ان میں سے ایک بھی نظر نہیں آتی اور جو چہرے گوہری تنبو میں نظر آئے وہ سب رخصت ہو چکے اور ایک آدھ باقی بھی ہے تو مردے

سے بدتر، کھٹیا پر پڑا پڑا بیل رہا ہے۔

شہزادہ مرزا محمد اشرف گورگانی بی۔اے جو اس صحبت میں ہمارے شریک تھے اور جنہوں نے یہ رات رو رو کر صبح کی تھی اگر زندہ ہوتے تو یقیناً شاہزادیوں کا یہ نالہ جو بیلے کی سرزمین پر بلند ہوا مرنے نہ پاتا اور فضا ادب میں ایسا گونجتا کہ سننے والے بھی بلبلا جاتے لیکن بدبختوں کی تقدیر پر کوئی رونے والا بھی نہ رہا اور تعداد راتوں کی طرح وہ رات بھی آئی گئی۔ ہوئی جس نے خاندان تیموریہ کی ان لٹی کٹی بیگمات کے آنسو اپنے آغوش میں لئے۔ گہری تمبو خلیفہ اکن کے ذنگل میں گاڑا گیا تھا۔ چاروں طرف قناتیں کھڑی ہوئی تھیں اور رات کا تاریک حصہ بجائے دیبا و حریر کے ان مخدرات کے نازک جسم کی پردہ پوشی کر رہا تھا جو قلعہ معلی سے نکل کر اس وقت بیلے کی مہمان تھیں آسمان کے تارے ان کی تیرہ بختی کے شاہد تھے اور زمین بتا رہی تھی کہ یہ شہر پر راج کرنے والیاں آج دو دو دانوں کو محتاج ہیں شہزادیوں میں پردہ برائے نام تھا اسلئے تمبو میں داخلہ کی عام اجازت تھی۔ جگہ چونکہ کافی اور میدان وسیع تھا اس لئے چپقلش نہ تھی۔

گوہر آرا بیگم شکریہ ادا کر چکیں تو مہمانوں کے سامنے پانوں کی کشتی آئی کاغذی حقے جو بادشاہ کے ساتھ ہی شہر سے کوچ کر گئے۔ چاروں طرف سلگ رہے تھے کہ ایک بیوی سنبھل کر بیٹھیں اور گوہر آرا بیگم نے فرمایا۔

یہ ظل سلطانی کی خالہ زاد بہن مظفر بیگم ہیں ان کی صورت اب پہچانی نہیں جاتی۔ مگر جنہوں نے قلعہ کی چہل پہل اور اس مظفر کی رنگ

رلیاں دیکھی ہیں وہ سمجھ گئے ہوں گے کہ غدر نے جن کو زندہ چھوڑا ہے ان کو بھی اس طرح نچوڑا کہ حال سے بے حال اور صورت سے بے صورت کر کے یہ انار کا سرخ و سپید دانہ آج پھیکا شلغم ہے حق یہ ہے کہ ہم کو اس صورت ہی کے لالے تھے قربان جائیے اس خدا کے جس نے بچھڑی ہوئی مظفر کو ہم سے ملوا دیا اور یہ صورت پھر دکھا دی مظفر پر شہر سے نکل کر کیا بپتی یہ خود سنائے گی مگر اتنا میں بھی جانتی ہوں کہ ہماری عیش کی گھڑیاں حضور کے دم تک تھیں ہمارا سہاگ بادشاہ کے ساتھ ختم ہوا جتنا ہنسنا تھا سرکار کے ساتھ ہنس لیے اب روئیں گے اور اس وقت تک روئیں گے جب تک بدن میں سانس باقی ہے۔

رات خاصی ڈیڑھ پہر کے قریب گذر چکی تھی اور گو تمام بیلہ میں کھچڑیاں پک رہی تھیں مگر گوہری تمبو والوں کو سانپ سونگھ گیا تھا گویا نماز ہو رہی ہے کہ کھانسنے کھونسنے کے سوا کوئی آواز نہ تھی مظفر سلطان بیگم اب آگے کھسکیں انہوں نے چاروں طرف دیکھ کر کہا۔

(۱) شہزادی مظفر سلطان بیگم کی سرگذشت

ظل سلطانی جن کے سایہ میں ہمارا بچپن کٹا اور جوانی گذری ہم سے ہزاروں کوس دور زندگی کے باقی دن پورے کر کے دنیا سے رخصت ہو چکے سرکار کے مبارک ہاتھوں کے نوالے بارہا میرے منہ میں گئے ہیں۔ اور حضور نے سینکڑوں ہزاروں مرتبہ میرے سر پر شفقت کا ہاتھ پھیرا

ہے مگر یہ تقدیر کی خوبی ہے کہ جب عالی جاہ پر وقت پڑا اور دلی کی آواز کو ترس گئے تو ہم کسی خدمت کے قابل نہ رہے۔

مظفر سلطان کے منہ سے سرکار کا نام سنتے ہی سب کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور بادشاہ کی مغفرت کے لئے ہزاروں ہاتھ بلند ہو گئے۔

جب یہ ہو چکا تو مظفر سلطان نے کہا۔

"شہر کی حالت اتنی ابتر ہو گئی تھی کہ ہر طرف کہرام مچ رہے تھے اور کوئی گھر ایسا نہ تھا جہاں سے رات بھر رونے پیٹنے کی آواز نہ آتی ہو بھاگنے والے بھاگ چکے تھے اور اب بھی جدھر جس کا منہ اٹھا جا رہا تھا۔ افرا تفری ایسی تھی کہ بھائی کو بھائی کی خبر نہ تھی زندوں کی خیر صلاح تھی نہ مردوں کی خبر۔ اپنوں کا ہوش نہ غیروں کا خیال مغرب کے بعد منشی وزیر مخبر آ کر بتا دیتے تھے کہ کل اس کو پھانسی ہو گی۔ ست ہی ست پر جان تھی ایک قدم اٹھاؤ دوسرے کی خبر نہیں، بھاگنے کا رستہ تھا نہ چھپنے کی جگہ دھڑکے میں جان اور کھٹکے میں دل۔ جو پکڑا گیا پھر پلٹ کر نہ آیا۔ میرے شوہر خسرو مرزا کو دن دہاڑے کوتوالی چبوترے پر کالے مخبر نے پھانسی دلوائی میں بہتیرا ہی تڑپی اور پیٹی کہ صاحب عالم کی لاش اپنے ہاتھ سے دفن کروں مگر کسی نے نہ سنی اور یہ ہی کہا کہ جب بادشاہ ہی کے لالوں کو کفن نصیب نہ ہوا تو ہم کس گنتی میں ہیں مرزا کے بعد جینے کا مزا نہ تھا اور مجھے سب سے بڑا کھٹکا سلیم کا تھا جس کی مسیں بھیگ رہی تھیں کہ دیکھئے اس کا کیا ہوتا ہے میں نے کالے مخبر اور اس کی بیوی بچوں کی رات رات بھر خدمت کی کہ کہیں ظالم میرے بچے کا نام نہ

لے دے اور مرزا کے ساتھ اس کا داغ کبھی نہ اٹھانا پڑے کلا اصل میں لوہار تھا مگر اس وقت شہر بھر کا مختار تھا اس کی مخبری پر چٹکی بجاتے پھانسی ہوتی تھی۔ پوچھ نہ گچھ۔ مسل نہ مقدمہ جس دن بھائی فراست کو پھانسی ہوئی ہے وہ رات خدا دشمن کو نہ دکھائے اور میرے واسطے تو قیامت سے کم نہ تھی۔ جب کالے نے کہا کہ تمہارے بچے کا بھی نام آیا ہے میں اتنا سنتے ہی چکرا کر بیٹھ گئی کالا میری حالت پر ہنسا اور کہا۔ "شہر میں بارہ مخبر ہیں اس وقت تو بیٹے بچا لیا مگر ان بے ایمانوں کے منہ کو تو خون لگا ہوا ہے اور مسجد میں قسم کھائی ہے کہ بے لئے اپنے باپ کو نہ چھوڑیں گے تمہارے پاس جو جمع جتھا ہو لے آؤ میں لے دیکر پاپ کاٹوں۔ خبر نہیں دوڑ کس وقت آ جائے۔

میرے پاس نقد تو ایک کوڑی نہ تھی جو گہنا پاتا تھا وہ اوپلوں کی کوٹھری میں دبا رکھا تھا مجھے زیور بچے سے زیادہ نہ تھا دوڑی دوڑی گئی اور جو کچھ تھا کھود کھاد اس کے حوالے کیا مگر دل کا یہ حال تھا کہ گز دو گز اچھل رہا تھا اور سب سے بڑا دھڑکا یہ تھا کہ تیزی کی بارہ چھوڑ ستائیس ہو گئی تھی مگر مردوں کی سلامتی کی گھنگھنیاں اب تک نہ ابلیں کس کی نیند اور کس کی بھوک آدھی رات اسی چکر میں بیت گئی۔ مجھے ٹھیک یاد بھی نہیں کہ آدھی تھی یا پچھلا میں نے سلیم اور فرخ دونو بچوں کو ساتھ لیا سلیم ماشاء اللہ پندرہویں اور فرخ اللہ رکھے چھٹے برس میں تھی یہ دونوں نیند میں کسمساتے اٹھے مگر ان کو لے کر کسی نہ کسی طرح دلی دروازے تک پہنچی گوروں اور کالوں کی راوٹیاں کھڑی ہوئی

تھیں اور لالٹینوں میں ان کی تلواریں اور کرچیں دور سے جگمگا رہی تھیں قدم بڑھانے کی ہمت نہ پڑی اور دونوں بچوں کو کلیجوں سے لگا دہیں بیٹھ گئی جب میں نے دیکھا کہ پہرے والے تک بے خبر پڑے ہیں تو بچوں کے منہ پر آیۃ الکرسی پڑھ کر پھونکی اور دبے پاؤں چوروں کی طرح آگے چلی کیا بتاؤں دل کا کیا حال تھا سر پر موت تھی اور سامنے وہ موئے برقنداز مگر اللہ کی کچھ ایسی مہربانی ہوئی کہ میں پرانے قلعہ تک پہنچ گئی۔ اور سانس تک کی آواز میرے کان میں نہ آئی۔ یہاں میں ٹھٹکی خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا چاند کی آخر تاریخیں ہر طرف اندھیرا گھپ اس پر یہ خوف کہ صبح کو جو دیکھے گا وہ مار ڈالے گا رستے کا پتہ نہیں کہ کدھر جاؤں غرض بچوں کو لے اسی سڑک پر سیدھی ہولی سلطان جی پہنچکر مجھے معلوم ہوا کہ ہم نظام الدین میں ہیں فرخ نے پانی مانگا مگر میرے پاس پانی کہاں اس کو بہلاتی پھسلاتی لئے جا رہی تھی کہ دو آدمیوں کی آواز سنائی دی جان نکل گئی اور سمجھی کہ ظالم آگئے سڑک چھوڑ کچھ ڈنڈی پر ہولی دل دھکڑ دھکڑ کر رہا تھا اور جان کا اللہ ہی وارث تھا کہ پو پھٹی اور ایک گاؤں کی سی صورت نظر آئی۔

اب میں نے اپنا بھیس بدلا دوپٹہ سر سے باندھا اور سلیم کی اچکن پہن کر خاصا اچھا لڑکا بن گئی گاؤں کے پاس ایک ٹوٹی سی مسجد تھی ہم تینوں وہاں پہنچے ایک بڈھے سے گنوار نے غلط سلط اذان دی اور ہم کو غور سے دیکھ کر چھوٹتے ہی کہنے لگا۔ "شہر سے بھاگے ہو" میں نے بھی نماز پڑھی مگر کیا خاک پڑھی دل کا اللہ ہی بیلی تھی۔ سلام پھیر چکی تو بڑے میاں سے کہا: "اس لڑکی کو پیاس لگ رہی ہے

انہوں نے ایک میلے کچیلے مٹکے کی طرف اشارہ کیا جو کوٹھری میں رکھا تھا ٹوٹے ہوئے کلڑے سے پانی بھرا اور اوک سے پلایا تو بڑے میاں نے اتنی مہربانی کی کہ ہم سے کہا: "تم لوگ بھوکے ہوگے۔ چلو میں کھانا کھلا دوں" ہم ان کے ساتھ ہو گئے بھوک کے مارے پتلا حال تھا ان کے گھر پہونچے تو معلوم ہوا بڑے میاں بڑھئی ہیں انہوں نے غور سے ہماری صورتیں دیکھیں اور کہنے لگے: "مال مصالحہ تو بہت سا لائے ہوگے ہمارا حصہ تو دلواؤ" میں نے کہا: "تلاشی لے لیجئے پھوٹا بادام بھی پلے نہیں بھوکے مر رہے ہیں ہمارے پیٹ بھر دیجئے" بڑھئی خاموش تھا اس کی بڑھیا بیوی اندر سے جا کر تین باسی روٹیاں اور پیاز کے گھٹے لائی۔ ہم کو وہی غنیمت ہو گئے ہیں اس عورت کا دل ہی میں شکریہ ادا کر رہی تھی کہ اس نے فرخ کو دیکھ کر کہا۔

"تم کو روٹی نصیب نہیں اس بچی کو کہاں لئے لئے پھرو گے یہاں چھوڑ جاؤ ٹہل کرے گی پیٹ پالے گی۔

میری تو یہ سنکر جان نکل گئی بڑھیا میری بچی کا ہاتھ پکڑ کر ایکطرف ہوگئی اور مجھ سے کہنے لگی یہ تو دلی کی اگنائی ہے دن بھر گورے کالے آتے رہتے ہیں تمکو بھاگنا ہے تو جلدی بھاگ جاؤ دو نو کیلے چلے جاؤ وہ گاؤں یہی اچھا ہے اور بچا ہوا بھی ہے!" میں اس کا منہ تکنے لگی فرخ روئی تو بڑھیا نے اس بری طرح سے ڈانٹا کہ تو بہ بھلی بڑھئی اپنے کام پر چلا گیا ہم دونو کھڑے اپنی تقدیر کو رو رہے تھے بڑھیا اپنی لٹیا لے کر جنگل کو گئی اور میں اپنے دونو بچوں کو ساتھ لے ایک طرف ہولی تھوڑی دور جا کر ایک ٹوٹا سا مقبرہ دکھائی دیا گوروں اور کالوں کی زیادہ

اب بڈھے بڑھیا کا ڈر تھا کہ کب آئیں اور کدھر سے آئیں تینوں اس مقبرے میں گھسے اور دن وہیں گذارا بھوک پیاس سے لق لق کرتے رات کو نکلے تو سڑک پر ایک کوٹھڑی میں دو مٹکے سے دکھائی دئے۔ یہ پیاؤ تھی پیٹ بھر کر پانی پیا لٹیا بھر سا تھ لی اور آگے بڑھے صبح ہوتے ہوتے فرید آباد پہنچے۔ ہم تھک کر چور ہو گئے تھے اور پاؤں میں موٹے موٹے چھالے پڑ گئے تھے فرید آباد کے ایک قاضی صاحب نے ہم کو مہمان بھی رکھا اور خاطر تواضع بھی کی مگر یہ کہہ دیا کہ "یہاں زیادہ رہنا ٹھیک نہیں" مخبر ادھر بھی آجاتے ہیں تم لوگ جلدی کوچ کرو" میں اتنا سنتے ہی پریشان ہو گئی اور شام ہی کو وہاں سے چلتی ہوئی دوسرے دن گیارہ بجے کے قریب ہیمیا پہونچے۔ ہندؤں کا گاؤں تھا جہاں ہر طرف سے ہم پر لعنت برسنے لگی، بھنگیوں اور چماروں کی طرح ہم کو جھوٹی روٹی کے ٹکڑے ملے اور الگ سے پانی پلایا بھوک میں کواڑ بھی پاپڑ ہوتے ہیں کسی نہ کسی طرح پیٹ بھرا کہیں میرا دوپٹہ سر سے سرک گیا تو ایک موٹے جگادری ہندو نے دوپٹہ یہ کہہ کر اتار لیا۔

"ارے یہ تو عورت ہے"

میں چپ بنی کھڑی تھی کہ دو تین ہندو میرے دونو بچوں کو پکڑ لے گئے اور مجھ سے کہا "تو مخبر ہے۔ نکل یہاں سے نہیں تو ابھی سر پھاڑ ڈالیں گے"

ایک شخص میرا ہاتھ پکڑ مجھ کو سڑک پر چھوڑ گیا اور کہہ گیا کہ "اب گاؤں میں قدم رکھا تو جان کی خیر نہیں"

اب میں کس طرح بتاؤں کہ بچوں سے چھوٹ کر میری کیا کیفیت ہوئی دن بھر بڑ کے نیچے بیٹھی روتی رہی اور خدا خدا کر کے شام ہوئی۔

ابھی رات کی سیاہی پوری طرح چھائی نہ تھی کہ ما متا بڑ کے نیچے سے اٹھا کر گاؤں میں لے آئی جھٹ پٹا وقت تھا گوالنیں اپنی گائے بھینسوں کا دودھ دوہ رہی تھیں ادہر آنے جانے والے اِدھر اُدھر آجا رہے تھے میرا دل بیٹھا ہو رہا تھا اور دم پر بنی ہوئی تھی کہ اب کسی نے پکڑا مارا اور نکالا کھوڑی دور ایک ٹیلے کے پیچھے چھپی۔ لیکن یہاں بھی چین نہ پڑا۔ نکلی منہ گاؤں کی طرف کیا۔ مگر ہمت نہ پڑی اور ایک جگہ ٹھٹک کر کھڑی ہو گئی ابھی جھٹ پٹا ہی تھا کہ عورتوں اور مردوں کی ٹولیوں کی ٹولیاں گھی کے چراغ ہاتھ میں لئے مندر کی طرف جانے لگیں۔ شاید کوئی میلہ ہو گا جس کا پورا حال مجھے معلوم نہیں جب مندر کچھا کھچ بھر گیا تو میں اسی گھر پر پہنچی جہاں میں نے اپنے بچے چھوڑے تھے جھانک کر دیکھا تو ایک بڈھا پڑا حقہ پی رہا تھا اور دونوں بچے سامنے بیٹھے تھے۔ سوچتی تھی کہ کیا کروں بچوں کو کیوں کر پاؤں مگر کوئی تدبیر سمجھ میں نہ آتی تھی دل کڑا کیا جان پر کھیل کر اندر قدم رکھا تو بڈھا اونگھ رہا تھا میں نے بچوں کو اٹھایا بڈھا اونگھتا ہی رہا اور میں بچوں کو ساتھ لے باہر آگئی اب چاروں طرف اندھیرا گھپ تھا البتہ مندر سے بھجنوں کی اور جنگل سے گیدڑوں کی آوازیں آرہی تھیں۔ آگے آگے میں اور پیچھے پیچھے میرے دونو بچے بھاگے چلے جا رہے تھے۔ مجھ کو اپنی جان کی پروا نہ تھی بچوں کے دھڑکے نے نیم جان کر دیا تھا جسم کی تمام قوت جمع ہو کر ٹانگوں میں آگئی تھی اور شفقت

ہوا ہماری غذا تھی اور املی کی پتیاں ہماری مہمان نواز! فرخ نے پانی مانگا میں چلو بھر کر لائی کہ دو جاٹ موٹے موٹے لٹھ کندھوں پر رکھے سر پر آدھمکے اور پوچھا تم کون ہو اور یہاں کیوں ٹھہرے ہو" میں نے منت سے کہا: "ہم مسافر ہیں تھک کر چور ہو گئے۔ بچوں کو بخار ہو گیا دم لے رہے ہیں دوپہر ڈھلے آگے بڑھ جائیں گے"۔ ایک جاٹ جس کی مونچھیں بڑی بڑی تھیں بگڑ کر بولا۔ "تم لوگ شہر سے بھاگے ہو ہم کو بھی پکڑواؤ گے جاؤ یہاں سے آگے بڑھو" میں نے ہاتھ جوڑ کر کہا "بچے بیمار ہیں دیکھو بخار چڑھ رہا ہے تھوڑی دیر میں چلے جائیں گے لو چل رہی ہے گرمی تیز ہے اب چلے تو بن آئی مر جائیں گے"۔ اس نے لٹھ زمین پر پٹخا اور کڑک کر "اٹھا بچوں کو آگے بڑھ"۔ میری روح فنا ہو گئی کہ اگر اس نے میرے لٹھ مار دیا تو ٹھکانا کہیں نہ کھاؤں گی اور کسی بچے کے پڑ گیا تو سی بھی نہ کر سکے گا۔ فرخ کو گود میں لیا، سلیم کو اٹھایا تو کھڑا نہ ہو سکا دوسرے جاٹ کو مجھ پر رحم آگیا اور کہا "اچھا بیٹھ جا" یہ کہہ کر وہ دونوں چلے گئے اور گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ بعد وہی بیچارا تین موٹی موٹی روٹیاں اور مٹھا لیکر آیا۔ میں نے اسکو ہزاروں دعائیں دیں بچے تو کیا کھاتے میں نے ایک روٹی کھائی اور دو رکھ لیں کہ اگر ان میں سے کسی نے ٹکڑا مانگا تو دیدوں گی۔ دوپہر سے پہلے ہی لو کے جھکڑوں نے میرے لالوں کو جھلسانا شروع کیا ہوا کے تھپیڑے منہ پر طمانچے مار رہے تھے اور بخار زدہ معصوموں کے منہ پر پھپھڑیاں بندھ رہی تھیں۔ آسمان انگارے برسانے لگا اور زمین شعلے اگلنے لگی!

مادری اس توسن کو مہمیز کر رہی تھی یہاں تک کہ رات کی سیاہی نے کائنات کا ساتھ چھوڑا اور ہم ایسے پہاڑ کے دامن میں پہونچے جہاں مرغ کی آواز انسانی آبادی کا پتہ دے رہی تھی بچے بھوک کے مارے بلبلا رہے تھے میں تو خیر دن بھر کی بھوکی پیاسی اعمال کو بھگت اور تقدیر کو رو رہی تھی معصوم بچے نہ معلوم کس گناہ میں پکڑے گئے تھے کہ تن کو چیتھڑا تھا نہ پیٹ کو ٹکڑا پاؤں کے چھالوں میں سے پانی اور ہاتھ کی خراشوں سے خون بہہ رہا تھا مگر دمبھر تک میسر نہ تھی کہ پٹی باندھ دیتی رات جس نے اپنی زندگی میرے بچوں کی رہنمائی کو وقف کر دی تھی دم توڑ چکی اور دن ہم خانماں بربادوں کے استقبال کو آگے بڑھا مگر رات کی دیوی کا سایہ ہمارے واسطے نعمت تھا جس نے اپنا سیاہ لباس دن کو اوڑھا کر کرہ دنیا پر دھکیلا اس کے خوفناک چہرے میں آفتاب کا کچھ ایسا ذخیرہ چھپا ہوا تھا کہ ننھے ننھے دل دہل گئے اور سلیم بخار میں لوٹتا ہوا اور فرخ سر پکڑ کر بیٹھ گئی گاؤں کچھ فاصلہ پر تھا مگر نہر قریب ہی جاری تھی اب اس کے سوا کیا چارہ تھا کہ میں نے اپنی پھٹی پرانی رضائی املی کے نیچے پانی کے قریب بچھائی اور دونو بچوں کو وہاں لٹا کر فرخ کا سر دبانے بیٹھ گئی۔

چہرہ آفتاب کی ترقی کے ساتھ میرے بچوں کے مکھڑے تمتانے شروع ہوئے اور ابھی پہلا پہر ختم نہ ہوا تھا کہ سلیم بالکل ہی بے سدھ ہو گیا رات بھر کا خمار اور پانچ چھ کوس کی تکان اس پر بھوک اور پیاس انہیں نہیں مگر میں! مجھ پر جو گزری بیان نہیں کر سکتی

ماںتا کی ڈبڈبائی ہوئی آنکھیں دو حصوں میں تقسیم ہو گئی تھیں ایک نگاہ سلیم پر تھی اور دوسری فرخ پر الکل سے دو کا وقت سمجھ کر میں نہر پہ وضو کرنے بیٹھی کہ وہی رحمدل جاٹ آ پہونچا اور اس کی اس آواز نے مجھے چونکا دیا: "ارے تو عورت ہے"۔ میں تھر تھر کانپنے لگی کہ دیکھئے اب کیا ہوتا ہے۔ ہزاروں قسم کے خوف تھے مگر خدا اس کا بھلا کرے میں تو کہتی ہوں سینکڑوں مسلمان اس ہندو پر قربان مجھ سے کہنے لگا: "بہن چل میرے گھر چل"۔ میں اس کا منہ تکنے لگی اس نے میرے سر پہ ہاتھ پھیرا اور کہا: "ڈر نہیں تو بہن اور میں بھائی"۔ فرخ کو میں نے گود میں لیا اور سلیم کو اس نے پیٹھ پر، میں ڈرتی ڈرتی اس کے گھر پہونچی تو اس کی بیوی شوہر سے زیادہ ملنسار تھی بچوں کی طبیعت دوسرے دن ٹھیک ہو گئی اور ان دونوں میاں بیوی نے ایسی محبت سے رکھا کہ اب بھی خیال آتا ہے تو بیساختہ دعا نکلتی ہے۔ میں ڈیڑھ مہینہ تک اس گھر میں رہی جاٹ جاٹنی نے پردیس کو دیس بنا دیا۔ جب میں نے سن لیا کہ شہر میں امن چین ہو گئی تو اُدھر کا رخ کیا بھائی جاٹ خود ہم کو یہاں تک پہونچانے آیا۔ اور میرا رونگٹا رونگٹا اس کو ہر وقت دعائیں دیتا ہے۔

مظفر سلطان کی داستان اس قدر دلچسپ اور درد انگیز تھی کہ بیلہ کا سیلہ سیلانیوں کی سیر اور دکانداروں کا کاروبار سب خاک میں مل گیا، جو تھا وہ گوہری تنبو میں آ کھڑا ہوا شور و رہا تھا کچھ ایسا سناٹا چھایا کہ جو تھا وہ دم بخود۔ مظفر کا بیان ختم ہوا

اور شہزادیوں کے نمبر دلّی کے آسمان کا کلیجہ توڑ چکے تو گوہر آرا بیگم نے میزبان کی حیثیت میں یہ الفاظ کہے۔

"مظفر سلطان نے بتا دیا کہ قلعہ معلیٰ کی بسنے والیاں جنہوں نے گرمی کے دن خس کی ٹٹیوں اور پنکھوں میں گذارے لُو کے تھپیڑوں اور املی کے پتوں میں بھی زندہ رہ سکتی ہیں مگر کون کہہ سکتا تھا کہ خود حضور عالی پر کیا کچھ نہ گذر جائے گی۔

حضور کا نام زبان پر آتے ہی دلّی والے تڑپ اٹھے اور "ہائے بادشاہ" کے نعرے چاروں طرف سے بلند ہوئے آدھ گھنٹہ سے زیادہ یہ کہرام مچتا رہا تو شمع زہرہ بیگم کے سامنے آئی۔ زہرہ بیگم جہاں پناہ کی بھانجی تھیں وہ ابھی کچھ کہنے نہ پائی تھی کہ گوہری تنبو میں آواز یہ گونجی۔

"لپٹیں آ رہی ہیں موتیا کی"

گوہر آرا بیگم بولیں "خالہ جیتی رہو۔ غنیمت ہے تمہارا دم کہ ردّی صورتوں کو ہنسا دیتی ہو"

(۳) شہزادی زہرہ بیگم کی داستان

بیلے کے بازار جہاں تھوڑی دیر پہلے ایسی چہل پہل اور گہما گہمی تھی کہ کان پڑی آواز نہ سنائی دے اس وقت سناٹے میں تھے اور تمام میلہ سمٹ سمٹا کر گوہری بیگم تنبو میں آ گیا تھا گوہر آرا بیگم کا

فقرہ ختم ہوتے ہی ایک دفعہ بیگم پھر ہچکی اور وہی صدا دوبارہ گونجی۔

"لپٹیں آ رہی ہیں موتیا کی"

بیگم کے دونو چھپے موتیا سے چوبی دار بھرے ہوئے تھے ایک میں گجراتی دوسرے میں دیسی۔ ہوا ان کی خوشبو سے مست ہو رہی تھی اور انسانی دماغ جو بادشاہ کا نام سنتے ہی اپنی بد بخت آنکھوں سے آنسو گرا چکے تھے خاموشی سے جھوم رہے تھے شاہی تصویر ان کی آنکھوں کے سامنے پھر گئی قلعہ معلیٰ کا سماں یاد آ گیا گذرے ہوئے دن اور بیتی ہوئی راتیں کلیجے پر چھریاں چلانے لگیں لمحہ بھر ہو کا عالم رہا آخر گوہر آرا بیگم نے پہلے پانوں کی کشتی مظفر سلطان کے سامنے رکھی اور پھر زہرہ بیگم سے کہا "ہاں بیگم اب تم اپنی بپتا سناؤ خدا نے دوبارہ ملوایا ہے ہم کو تو امید تھی نہیں"

زہرہ بیگم نے ہنس کر گوہر آرا بیگم کا شکریہ ادا کیا اور کہا "جس خدا نے بچھڑوایا تھا اسی نے ملوایا میں اپنی داستان کیا سناؤں دل میں زخم ہیں، زخموں میں ٹیسیں ہیں۔ شہر جہاں پناہ کے ساتھ اجڑ گیا اب ہر طرف اللہ ہی اللہ ہے خدا کی شان ہے ہمارا قلعہ جس کی دھوپ میں ہمارا بچپن جوانی سے بدلا اور جس کی چھاؤں میں ہمارے نال گڑے تھے ہماری آنکھوں کے سامنے ہم سے دیدے بدل چکا اور ہم اس کی صورت کو ترس رہے ہیں نیم کی پتیاں اور پیپل کی کونپلیں جس وقت ہوا میں سرسراتی ہیں اور یہ ہری بھری شاخیں اور سرسبز ٹہنیاں جب ہوا میں تیرنے والے پرندوں کو اپنی گود میں لیتی ہیں اور آزادی کے

گیت گانے والی چڑیاں جس وقت پھدک پھدک کر درختوں پر بیٹھتی اور چہچہاتی ہیں اس وقت دل ہوا ہوتا ہے کلیجے کے ٹکڑے اڑتے ہیں شہر آبادی کا سماں وہ دن یاد دلاتا ہے جن کی شام اب صبح کی صورت نہ دیکھے گی زندگی اسی کا نام ہے تقدیر کا لکھا بھگتا اور بھگتیں گے۔

شہر سے ہم تیرہ عورتیں اور دو مرد نکلے تھے ستا ہی ست پر جان تھی دونوں وقت کی پھانسیوں نے ہوش اڑا دیئے تھے روز ارادہ ہوتا تھا کہ بھاگیں اور جان بچائیں لیکن بڑی چچی جان کا بخار دم بھر کو نہ اترتا تھا ایک تو ہر وقت چڑھا ہی رہتا تھا اس پر دوسرا اور چڑھتا بڑھا یا اور یہ بخار ڈھانچ رہ گیا تھا سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کریں ان میں خود ہمت نہ تھی کہ اٹھ کر پانی پی لیں چھوڑ سکتے تھے نہ لے سکتے تھے گورے خالو جان نے آخر یہ فیصلہ کیا کہ جس طرح ہو نکلو مخبر پیچھے لگ گئے ہیں، اور کالا تو جان کا دشمن ہے کیا خبر کس کس کو پھانسیاں دلوائے آج چچا جان کو بھی پکڑوا دیا ملا سے ابا جان کو کندھے پر ڈھوئیں گے اگر موت کے منہ سے تو نکلیں گے اور اگر آ ہی گئی ہے تو خدا کی مرضی۔

[illegible]ہ بج چکے تھے جب ہم گھر سے نکلے کھانا پانا پہلے ہی ختم ہو چکا تھا برتن بھانڈا اور کپڑا لتا زمین کھود کر دبا دیا اور بھرا ہوا گھر خدا کے سپرد کر جدھر منہ اٹھا چل کھڑے ہوئے خالو جان نے اپنی پیٹھ پر چچی جان کو لیا وہ بخار میں ہل ہلا رہی تھیں ان کی ہائے ہائے نے اور کبھی دم ناک میں کر رکھا تھا آغا مرزا بھی ساتھ تھے وہ کہتے تھے ہوں کی آواز نہ ہو چچی جان کی کھانسی لمحہ بھر کو چین نہ لیتی تھی لاج گھاٹ پر پہنچ کر ہم سب ٹھٹھکے پار جانا تھا اور بیچ میں جمنا لہریں لے رہی تھی کیسی مصیبت کا سامنا تھا

اندھیری رات اور بچے ساتھ! گورے خالو مچھلی کے شکار کے دھتیا تھے دریا کا چپہ چپہ ان کا دیکھا بھالا تھا وہ دور تک اپنے ساتھ لے گئے اور گمبود کے پاس جا کر کہا لو اترو یہاں پانی ٹخنے ٹخنے ہے کیا بتاؤں دریا کیوں کر پار کیا پوری منزل طے کی اور پھر قلعہ ہی کے پاس تھے بچوں کو گود میں لیا مردوں کا ہاتھ پکڑا اور ایک ایک کر کے ادھر پہنچے۔

منجھلی نانی اماں سب سے زیادہ ہکار رہی تھیں ان ہی کا پاؤں رپٹا اور دھڑام سے گریں مختصر یہ کہ خدا خدا کر کے پار پہونچے بچے کپکپا رہے تھے چچی جان کی کھانسی نے اور بھی غضب ڈھا رکھا تھا کہ کے بھونکتے ہوئے ہماری طرف آئے خالو جان نے لکڑیاں پٹخائیں اور ہم سب ایک طرف کھڑے ہو گئے گھڑی گھنٹہ تو ہمارے پاس تھا نہیں تین عرز در بجے ہوں گے آکا مرزا نے کہا چلو جلدی کرو ابھی شہر ہیں ہی ہیں صبح ہو رہی ہے کسی نے دیکھ لیا تو یہیں ڈھیر ہوں گے ایک اور مصیبت یہ ہوئی کہ مجھ کمبخت کے پاؤں میں ڈھیلا چارہ تھا بھاگی تو بھاگا نہ گیا۔ سب سے پیچھے رہ گئی اور جب سب نکل گئے تو چلائی کہ خدا کے لئے ٹھہر دیں میں بھی آ رہی ہوں ہم لوگ مشکل سے دو کوس گئے ہوں گے کہ صبح ہو گئی اور ایک گاؤں میں پہنچے یہ ٹھاکر گڑھ تھا ہندو مسلمان دو نو آباد تھے ان لوگوں کو ہم تماشہ ہو گئے جو آتا دو چار باتیں بناتا اور ہنسی اڑاتا ہو کے بھی تھے بیا سے بھی تھے ایک گوجر نے لٹھ پھرا کر کہا یہ بھگوڑے ہیں ان کو شہر لے چلو انعام ملے گا ہماری تو یہ سن کر جان نکل گئی مگر

وہ اصل میں مذاقیہ آدمی تھا کیونکہ اسی شخص نے سب سے زیادہ ہمدردی کی اور دوپہر کا کھانا اسی نے کھلایا دن پہاڑ ہو گیا کہ کسی طرح گھٹتا ہی نہیں تھا اور ہم اس فکر میں تھے کہ ذرا جھٹ پٹا ہو اور آگے بڑھیں۔ گاؤں والوں نے ہم کو پریشان نہیں کیا اور جیسے جس طرح ممکن ہوا دن بسر کیا جی تو یہ چاہتا تھا کہ اس کا شکریہ ادا کر کے آگے بڑھیں مگر مصلحت یہ نہ تھی شام ہوتے ہی چل پڑے۔ بچے نیند جھونٹوں میں جھوم رہے تھے اور بڑوں کی بھی حالت کچھ اچھی نہ تھی دس بجے ہوں گے کہ چچی جان کو بخار چڑھا گرمی کے دن تھے لحاف رضائیاں ساتھ نہ تھیں بخار سردی سے آیا سب ان کو لپٹ گئے مگر کپکپی کسی طرح نہ تھمی اس پر طرہ ان کی پیاس تھی وہاں پانی کہاں ایک لٹیا میں تو تلی پھوپی جان نے بچے کے واسطے دو گھونٹ ساتھ لے لئے تھے وہی کام آئے مگر اس سے کیا ہوتا تھا آخر ایک درخت کے نیچے بچھونے بچھائے اور سوچا کہ یہاں دم لیں رات بھر کے جاگے ہوئے تھے تندرست کی خبر رہی نہ بیمار کی، آنکھ کھلی تو سورج سر پر تھا مگر سامنے ہی ایک ٹوٹا ہوا گنبد تھا بھاگ کر وہاں جا چھپے کہ کوئی دیکھ نہ لے آکا اور خالو باہر نکلے۔ گاؤں بہت دور تھا ہم نے ان کو نہ جانے دیا۔ بچے بھوک کے مارے بلبلا کر رہے تھے اور خود ہماری انتڑیاں بھی قل ہو اللہ پڑھ رہی تھی۔ مگر نہ کچھ کر سکتے تھے نہ ہو سکتا تھا رات سر پر آ گئی اور گیدڑوں کے غل غپاڑے کے ساتھ بچوں کی چیخم دھاڑ نے اور بھی قیامت بپا کی آگے بڑھے مگر بدن میں سکت نہ تھی بچوں کو گودوں میں لیا خدا کی قدرت یاد

آتی ہے کہ وہ کس طرح تماشے دکھاتا ہے دور فاصلہ پر ایک دھندلی سی روشنی نظر آئی ہم ایک کونے میں بیٹھ گئے اور دو نو مرد وہاں پہنچے تو وہ چنے کی دکان تھی وہ چنے پلاؤ بن گئے چنے والا بھی بھلا مانس تھا چنے بھی کھلائے پانی بھی پلایا ذرا پیٹ میں پڑی تو آگے بڑھنے کی سوجی مگر ادھر دیکھتے ہیں تو چچی جان ٹھنڈی برف پڑی ہوئی ہیں۔

آکا نے دیکھ کر کہا انکی نبضیں بھی جا چکیں بہترا جھنجوڑا آوازیں دیں لیکن ان کو ہوش نہ تھا حالت لمحہ بہ لمحہ غیر ہو رہی تھی اندھیرا گھپ صورت بھی نہ دکھائی دیتی تھی سانس سنا تو وہ بھی کچھ ٹھیک نہ تھا مختصر یہ کہ گھبرا ڈوبنے لگا۔

میں سمجھتی ہوں دنیا میں اس سے زیادہ دردانگیز موتیں کم ہونگی شہد اور دوا تو درکنار پانی تک نصیب نہ تھا یہ بھی نہ معلوم ہوا کہ کب گذریں اور کیونکر گزریں خالہ سکندر نے کہا ہو چکیں میں تو یہ بھی نہیں کہہ سکتی کہ مر بھی گئیں یا نہیں راتوں رات گڑھا کھود کر وہ بھی کس طرح کتنوں سے الٹا سیدھا ان ہی کے کپڑوں میں جو بدن پر تھے دبا دیا اور روانہ ہو گئے۔

"صبح ہم کو دکیانی میں ہوئی یہ مسلمانوں کا گاؤں تھا اور یہاں آکا میاں کے ایک دوست رہتے تھے وہ ہم سب کو اپنے گھر لے گئے اپنی ذات سے بہت نیک آدمی تھا۔ لیکن انکی بیوی ایسی دماغ چوٹی تھی کہ خدا کی پناہ سیدھے منہ بات کرنی ہی قسم تھی نیکبخت نے بینی روٹی پکائی گھی کی ہنڈیا پاس تھی آپ بھی کھایا۔ بچوں کے ہاں بھی

لگایا۔ مگر ہم کو روکھی دی میں نے کہا اچار ہوتا تو اچھا تھا الٹی اور لہسن کی چٹنی سامنے لا رکھدی۔

ہم دو دن دو رات وہاں ٹھہرے مگر اس کی بدمزاجی سے بہت پریشان ہوئے اور تیسرے دن آگے روانہ ہو گئے۔"

یہاں تک پہنچکر زہرہ بیگم خاموش ہوئیں پانوں کی تھالی اپنے آگے گھسیٹی اور مسکرا کر گوہر آرا بیگم سے کہا "آپ کے آج کے بیٹے نے تو اچھے مشاعروں کو مات کیا کہ جہاں تک نظر جاتی ہے آدمی ہی آدمی دکھائی دے رہے ہیں۔

گوہر آرا بیگم بولیں "بوا یہ بھی کوئی دن کی بات ہے چند روز بعد شہر اور شہر والے ان رنگوں کو بھول بسر جائیں گے نئے نئے لوگ ہونگے نئی نئی باتیں ہوں گی دیکھ لو بادشاہ کے کیسے کیسے جاں نثار جو پسینے پر خون بہانے کو تیار رہتے خون کے پیاسے ہو گئے اور نمک حراموں نے جھوٹی گواہیاں دیں ابھی اعلی حضرت کا نام زندہ ہے کہ ہم جیسی لونڈیاں موجود ہیں ہمارے بعد کوئی نام بھی نہ لے گا جس کے قدموں سے دلی اور دلی والوں نے آنکھیں ملیں اس کی روح فاتحہ کو ترسے گی اور دو روٹیاں بھی نصیب نہ ہوں گی سچ پوچھو تو بلیہ میں میلہ اور جنگل میں منگل تمہارے دموں سے ہوا ورنہ اس کمبو میں کون آتا اور یہ چہل پہل ہوتی۔

ہائے تقدیر چچی جان غریب کو کفن نصیب ہوا نہ قبر لی ان ہی کپڑوں میں خدا کے سامنے بھی گئیں دیکھو خدا اپنی قدرت کے تماشے کس طرح دکھاتا ہے کیسی نازک مزاج بیوی تھیں بچھونے پر سلوٹ ہوتی تھی تو

تاک بھوں چڑھا لیتی تھیں یہ خبر نہ تھی میت کو غسل بھی نصیب نہ ہوگا۔

زہرہ:- اجی حضرت غدر نے جو مصیبت زندوں اور مردوں پر ڈالی ہے خدا دشمن کو بھی نہ دکھائے خیر وہ تو مر کر سب بلاؤں سے چھوٹ گئیں زندوں کو فرمایئے کہ ان پر کیا گزری ہوگی اور یہ پھلواری سے لال جب ملوں ملوں کرتے ہوں گے تو ماں کا کیا کیفیت ہوگی۔

گوہر آرا:- ہاں بیوی سچ کہتی ہو مگر جب صاحب عالم جہاں پناہ ہی پر ایسی گزری کہ آسمان اور زمین کانپ گئے اور بھوکے پیاسے گھر سے رخصت ہوئے تو ہم لونڈی غلام کس گنتی میں۔

ابھی گوہر آرا بیگم کی گفتگو ختم نہ ہوئی تھی کہ ایک متفقہ آواز بلند ہوئی اور لوگوں نے تقاضا کیا کہ آگے فرمایئے۔

زہرہ بیگم نے ہنس کر کہا: "بہت اچھا" پھر وہ سنبھلیں اور کہنے لگیں۔

"تیرہ آدمیوں میں سے ایک تو اللہ کو پیاری ہوئیں اب ہم بارہ آدمی تھے دوپہر کے وقت ایک برگد کے درخت کے نیچے ہم ذرا ستائے گاؤں یہاں سے قریب تو نہ تھا مگر دکھائی دے رہا تھا پیاس کے مارے پھیپھڑیاں بندھ رہی تھیں کہ ایک طرف سے گانے کی آواز آئی یہ لاؤ والوں کی صدائیں تھیں کیا بتاؤں عید کے چاند کی بھی اتنی خوشی نہ ہوگی جتنی اس وقت اس روز کی ہوئی ہم سب لپکے مگر مردوں نے ہم کو روکا اور خود گئے لاؤ والا بے چارہ کوئی شریف آدمی تھا اس نے ایک گھڑا پانی بھر دیا اور آ کا نے آ کر ہم سب کو پلایا۔

بچوں نے پھر رونا شروع کیا اور بھوک سے بلکنے لگے مگر ہو ہی کیا سکتا تھا آخر ماموجان گاؤں کی طرف گئے اور خدا جانے بھیک مانگ کر یا اپنی داستان مصیبت سنا کر چار روٹیاں اور دو گٹھیاں پیاز کی لے کر آئے اور ٹکڑا ٹکڑا سب کو دیا۔

بریانی متنجن میں بھی یہ مزہ کبھی نہ آیا جو اس وقت کے ٹکڑے میں آیا کھا پی آگے بڑھے بچوں کے پاؤں سوجھ گئے تھے اور لہو نکل رہا تھا مگر کیا کر سکتے تھے اسی طرح چلے گئے شام کے قریب گوہانہ کے پاس ایک گاؤں میں پہونچے یہ مسلمانوں کا تھا اور یہاں کا چودھری تھا وہ سانس کے مرض میں بیمار تھا دنیا بھر کے علاج کر ڈالے مگر کسی طرح آرام نہ ہوا اتفاق سے اس کا ایک نوکر کنوئیں پر پانی بھرنے آیا۔ ہم لوگ بھی وہیں ٹھہرے تھے خدا کی قدرت عجیب ہے وہ ایسے تماشے دکھاتا ہے کہ عقل دنگ ہو جاتی ہے۔

نوکر نے کسی آدمی سے اپنے مالک کی حالت بیان کی گورے خالو جنہوں نے عمر بھر شکار کھیلا اور کچھ نہ کیا دمہ کی دوا جانتے تھے انہوں نے کہا تین دن میں دھوئیں کی طرح نہ اڑ جائے تو توپ کے منہ اڑا دینا اس نے جا کر گھر میں ذکر کیا اسی وقت وہاں سے دو آدمی ہم کو لینے آ گئے اور خوب آؤ بھگت ہوئی دونوں وقت گھی اور دودھ کی نہریں بہتی تھیں گورے خالو تو حکیم جی بن گئے اور سارا گاؤں ان کے قدم لینے لگا دو مہینے تک ہم وہاں رہے جب ہم چلنے کا نام لیتے گاؤں والے روک لیتے آخر خدا خدا کر کے وہاں سے رخصت ہوئے دو بڑی بڑی بیل گاڑیاں انہوں نے ہم کو دیں اور ایک آدمی یہاں تک

ساتھ آیا کھانا اس قدر ساتھ تھا کہ دس اور ہوتے تو کافی ہو جاتا
"ہم یہاں پہونچے تو امی جی ہو چکی تھی مگر گھر گھر کے گھر سنسان ہو چکے تھے اور بعض محلے تو ایسے اُجڑے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ گدھے کے ہل پھر گئے، قلعہ کو دیکھ کر کلیجہ پر سانپ لوٹتا تھا باہر کی دیواریں دیکھ کر اندر کی عمارتوں پر فاتحہ پڑھی اور صبر و شکر سے رہنے سہنے لگے مگر دل پر جو گزری اور گذر رہی ہے وہ دل ہی جانتا ہے کیسے کیسے جوان برابر کی سہیلیاں اور ہمجولیاں آنکھوں سے اوجھل ہو گئیں کہ دل ڈھونڈھ رہا ہے لیکن حضور ہی نظر رہے تو کس کے عزیز اور کہاں کی سہیلیاں ہمیشہ رہے نام اللہ کا!"

زہرہ بیگم تھکیں تو گوہر آرا بیگم کے اشارے سے شمع قمر زمانی بیگم کے سامنے آئی یہ صاحب عالم کی بھانجی بہو تھیں ان کے شوہر محمد شاہ اور ایک جوان لڑکا غدر میں مارے گئے جب کالا مخبر قسم کھا گیا کہ دم میں دم ہے تو باقی کے دونوں لڑکوں کو پھانسی دلواؤں گا تو شہر سے بھاگیں۔

گوہر آرا بیگم نے کہا "قمر لو! اب اپنی بپتا سناؤ کہ یہ سب مشتاق ہیں" تو انہوں نے آنسو پونچھے اور کہنے لگیں۔

(۳) شہزادی قمر آرا بیگم کی آپ بیتی

جب مرزا صاحب اور بچہ اللہ کو پیارے ہوئے تو میری حالت دیوانوں کی سی تھی کالے نے میرے بے گناہ بچہ پر ستم توڑا اسکا بدلا اسکو

مل گیا چالیس دن کے اندر ہی اندر ایسا تاراج ہوا اور ایسی پڑی کہ خدا دشمن پر بھی نہ ڈالے جب وہ میرے بچوں کی فکر میں تھا تو میں ایک دن دو نو بچوں کا ہاتھ پکڑ باہر نکلی بھرا گھر تھا۔ مگر کیا کیا لیتی برتن بھانڈا کپڑا اللہ زمین میں گاڑ وہ جدھر منہ اٹھا چلتی ہوئی بڑی خرابی یہ تھی کہ رات کو نکلتی تو رستہ کا پتہ نہ تھا اور دن کو جاتی تو پکڑا دھکڑی ہو رہی تھی جھٹ پٹا ہو رہا تھا کہ میں نے دو نو بچوں کا ہاتھ پکڑا۔ مجھے یہ بھی خبر نہیں کہ یہ لاہوری دروازہ ہے یا کابلی بڑے لڑکے نے جو اللہ رکھے اب گیارہویں میں ہے بتایا کہ یہ اجمیری دروازہ ہے گوروں کا پہرہ اور ان کی کرچیں اور تلواریں دیکھ کر جان نکل گئی چھوٹے نے کہا "اماں بی کھائی کھائی چلو کھڑکی میں سے نکل جائیں گے"! مجھ کمبخت کو کیا خبر کہ کھائی کہاں ہے اور کھڑکی کدھر بلا سے کے پیچھے ہولی وہ کھاتا تو بچہ مگر سچا تھا چلتے چلتے ایک ٹوٹا دروازہ ملا اسی کو کھڑکی کہتے تھے یہاں بالکل سناٹا تھا ہم باہر نکلے تو خاصی دو ڈیڑھ گھڑی رات گذر چکی تھی اور چاندنی اچھی طرح نکل رہی تھی بڑے نے کہا "یہ ادھر تو نظام الدین ہے اور اُدھر گوڑ گانوہ" ہم نے نظام الدین کی سڑک چھوڑ دی اور گھوڑ گانوہ کی طرف ہو لئے ابھی تھوڑی دور گئے ہوں گے کہ ادھر سے گھوڑوں کی ٹاپ کی آواز آنی شروع ہوئی۔ بس دم نکل گیا بچوں کو لے کر ایک پیپل کے درخت کے پیچھے جا چھپی تو تین گورے سرپٹ گھوڑے دوڑائے جا رہے تھے کاٹھیوں میں کبوتر اور فاختہ جھے اور خبر نہیں کیا کیا پرندے بندھے ہوئے تھے یہ شکاری لوگ تھے وہ نکل گئے تو جان میں جان آئی آگے بڑھی تو چھوٹا نہا کہنے لگا: "ہم تو تھک گئے۔ اور بھوک لگ رہی ہے" میں اپنی

افراتفری میں روٹی لینی بھول گئی، نہیں تو دو روٹیوں میں گھی لگا نون ڈال لیتی، اسکو بہلاتی پھسلاتی چلی جارہی تھی اور دل ہوا ہو رہا تھا کہ موتے گیدڑوں کی آوازیں آنی شروع ہوئیں چاند کی شروع تاریخیں گھنٹہ دو گھنٹہ کی بہار دکھا کر چندا ماموں نے بھی ساتھ چھوڑا اب ہم تین دم جنگل کا سناٹا اور ہوا کا فراٹا برقع میں جو ہوا بھری تو کپا ہو گیا بہیترا ٹھیک کرتی ہوں مگر وہ ایک قدم آگے نہیں بڑھنے دیتا خدا خدا کرکے اتارا تہ کیا اور چلی اب جو دیکھتی ہوں تو چھوٹا سڑک پر بیٹھا بسور رہا ہے کہ روٹی دو۔

میں نے بہیترا ہی سمجھایا بڑے نھے نے چمکارا مگر وہ قبضہ میں نہ آیا مچل گیا چلانے لگا یہی خدا کا شکر تھا کہ سننے والا نہ تھا آخر تڑپ تڑپ کر بچہ سو گیا تو بڑے نے پیٹھ پر لادا اور پھر آگے بڑھے صبح ہوتے ہم شہر سے چار کوس دور نکل گئے یہاں کسی زمانہ کا ٹوٹا ہوا ایک مدرسہ تھا اور اس کے پاس ہی گاؤں بھی تھا میں نے اِدھر اُدھر دیکھا تو ایک تالاب بھی نظر آیا میں نے وضو کیا اور مدرسہ میں آکر نماز پڑھی بڑے کا انگرکھا اتار کر ایک گوشہ میں بچھایا تو نیچے کنکر تھے ہاتھوں سے ان کو صاف کیا اور جھاڑ دے دلا انگرکھا بچھا دونو کو اس پر لٹا دیا وہ دونوں رات بھر کے تھکے ہوتے اور جاگے ہوتے سو گئے۔ اب مجھ کو یہ خیال ہوا کہ چھوٹا اُٹھتے ہی روٹی مانگے گا برقع اوڑھ باہر نکلی اور سامنے ایک گھر میں جاکر سوال کیا تو ایک بڑھیا باہر نکلی اور مجھ سے پوچھا کہ تو کون ہے اور کہاں سے آئی ہے" میں اس سے کھڑی باتیں کر رہی تھی کہ ایک جوان سا آدمی میرے قریب آکھڑا ہوا اور ڈانٹ کر کہا "تو شہر سے بھاگی ہے ہم تجھ کو پکڑ کر شہر پہونچائیں گے" خدا معلوم وہ کمبخت کیا کرتا کہ اور دو چار آدمیوں

نے آکر اس کو دھمکایا اور میری پوری کیفیت معلوم کرکے مجھ کو چار روٹیاں اور مٹھا دیا۔

میں مٹھا اور روٹی لیکر مدرسہ آئی تو چھوٹا بچہ بے خبر اور بڑا بیٹھا میری راہ دیکھ رہا تھا ایک روٹی تو میں نے بڑے کو دی اور ایک آپ کھانی اتنے میں چھوٹا بھی اُٹھ بیٹھا اس کے آگے رکھ دی ہم کھانا کھا رہے تھے دیکھتے کیا ہیں کہ خالہ سردار کی بیٹی بی خوبن لڑکتی پڑکتی چلی آرہی ہیں میری تو جان میں جان آگئی کہ پردیس میں خدا نے فرشتہ بھیج دیا خوبن عورت کیا آفت کا پرکالا تھی آتے ہی مارے ہنسی کے پیٹ میں بل ڈال دلیئے میں بھی ساری بپتا بھول گئی ایک روٹی اس کو دی روٹیاں موٹی موٹی تھیں اور ایک بہت تھی دونو بچوں نے تو اس میں سے بھی ٹکڑا چھوڑ دیا۔ کھا پی چکے تو بھلا خوبن کیا نچلی بیٹھنے والی تھی۔ میں نے بہتیرا کہا کہ چپکی بیٹھ جا مگر وہ کیا ماننے والی تھی کہنے لگی "میں تو سارے رستے ہی اچھلتی کودتی آئی ہوں۔ میرے ساتھ تو چار اور ہوتے تو پیٹ بھر دیتی چل تو کھڑی ہو میرے ساتھ چل" میں اس کے ساتھ ہو لی وہ ایک ایک گھر میں سنگنیاں لیتی تھی۔ ایک گھر میں سے کسی بیمار کے کراہنے کی آواز آئی وہاں کان لگا کر دیر تک سنتی رہی اور پھر اس زور سے کنڈی بجائی کہ میں ڈر گئی ایک بڈھا اندر سے نکلا تو کڑک کر کہنے لگی۔

"بیمار کا کیا حال ہے اب تک آرام نہیں ہوا" وہ آدمی ہکا بکا ہو کر رہ گیا اور کہنے لگا "جی تم کون ہو" گھر مسلمان کا تھا بی خوبن نے زور سے کلمہ پڑھا اور کہا "ہم کو کیوں پوچھتا ہے فقیر ہیں جکم

ہوا آگئے صبح آگے بڑھ جایئں گے جلدی بتا کیا حال ہے!"

بڈھے نے غور سے صورت دیکھی تو بی خوبن نے زور زور سے الحمد پڑھنی شروع کی اور کہا دیکھنا کیا ہے دوا بھی لے دعا بھی لے "دور دور بیماری دُور" بول کیا حال ہے اور دیکھ سات دن میں تیرے گھر پر بلا نازل ہونے والی ہے، آگ لگے، مردہ نکلے، ڈھور مرے، استادنی آئے، بیمار کو دم کا پانی دے اجا جا دھد دور بلا دور،

بڈھا سوچتا ہی رہا کہ کیا کرے اتنے میں اندر سے ایک ادھیڑ عمر کی عورت دروازہ میں آئی اور کہنے لگی کیا ہے بڈھے نے جواب دیا "ہے کون اللہ نے اپنے مہمان بھیجے ہیں آجا کوئی مرد نہیں ہے" میں اب تک تو سہم رہی تھی مگر اب مجھے بھی ہنسی آنے لگی خوبن نے عورت کی صورت دیکھتے ہی کہا " بیمار کا یہ حال کر دیا اچھا اب بھی ہشیار ہو مسجد میں چراغ جلا دُور بلا دُور۔

خوبن نے اتنا ہی کہا تھا کہ عورت قدموں میں گر پڑی اور کہنے لگی میرا لڑکا بخار میں لوتھ پڑا ہے اندر چل کر دیکھ لو" مرد بولا "مائی جی کہتی ہیں بلا نازل ہونے والی ہے" عورت تو اتنا سنتے ہی خوبن کے آگے ہاتھ جوڑ کر کھڑی ہو گئی کہ رحم کرو"

میرے پیٹ میں بل پڑ رہے تھے اور خوبن اکڑ رہی تھی "دور دور دور" کہتی ہوئی آگے بڑھ گئی عورت اور مرد دونوں سامنے آ کھڑے ہوئے ایک نے ہاتھ جوڑے ایک نے پاؤں پکڑے اُن کے بکنے سننے اور منت خوشامد سے خوبن کلمہ درود پڑھتی ہوئی لوٹی مجھے انہوں نے ہدایت کر دی تھی کہ پیچھے پیچھے رہوں اور ہاتھ جوڑے رہوں وہ دونوں

میاں بیوی بھی ان سے دو قدم پیچھے میرے ساتھ تھے خوبن گھر میں داخل ہوئیں تو عورت لپک کر آگے بڑھی اور چراغ دکھایا باہر کچے چبوترہ پر بیمار پڑا ہائے ہائے کر رہا تھا یہ ایک جوان لڑکا تھا اور بخار چڑھا ہوا تھا خوبن نے جھوٹ موٹ نبض دیکھی اور زور سے قہقہہ لگا کر کہا۔

" ڈھائی سیر خشکہ ڈھائی سیر گھی ڈھائی سیر دہی ڈھائی سیر کھانڈ ابھی تیار کرو اسکا بخار میں لے لیتی ہوں" اتنا سنتے ہی دونوں ماں باپ کی جان میں جان آگئی یہ ترکیب خوبن نے اس وقت کی جب دیکھ لیا کہ پسینہ آ رہا ہے اور بخار اترنے والا ہے گاؤں میں کیا کمی تھی سب چیزیں گھر میں موجود تھیں گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ میں خشکہ اور سب سامان آ گیا۔ خوبن نے اسمیں سے دو نوالہ کھا کے آواز لگائی۔

" دُور دُور بلا دور بخار دور چل چل اس کے پاس سے چل آ آ میرے پاس آ"

مریض کا بخار اتر ہی رہا تھا بی خوبن خشکہ لے کر مدرسہ میں آئیں اور ہم سب نے ملکر کھایا اور پڑ رہے۔ صبح ہوتے ہی عورتیں اور مرد ٹھٹ کے ٹھٹ موجود تھے کہ پیرانی جی کہاں ہیں۔ میرے فرشتوں نے بھی یہ سوانگ نہ دیکھے تھے میں نے تو کہہ دیا بی خوبن میرے بس کا روگ نہیں ہے مگر بڑا نباہ اس کے ڈھب پر چڑھ گیا ایک لکڑی لیکر باہر بیٹھ جاتا اور جہاں لوگ آئے آواز سے کہدیا ٹھہر جاؤ پیرانی جی نماز پڑھ رہی ہیں، چار پانچ دن میں تو سارا گاؤں بی خوبن کے قدموں میں تھا مجھکو تو ایسے کھانے ملے کہ میں قلعہ بھی بھول گئی روز مرغ پکتے تھے کیونکہ خوبن جو تعویذ لکھتی تھیں وہ مرغ کے خون سے ۔۔۔

کے کنویں پانی پلایا وہیں سستائے تو کوئی تین بجے کے قریب ہم آگے بڑھے مگر ایک بات سے میں کھٹک رہی تھی کہ گوجر گاڑیبان رستے بھر اکڑ اکڑ کر اور کبھی اکھڑ اکھڑ کر باتیں کر رہا تھا۔ میں نے کہا بھی کہ "ذرا آہستہ بول پیرانی جی سو گئی ہیں" تو اس نے جواب دیا کہ "ایسی ایسی پیرانیاں بہت سی دیکھی ہیں" ہم سمجھ رہے تھے کہ پانچ چھ روز میں شہر پہنچ جائیں گے اور چلتے وقت بھی یہی سب نے کہا تھا کہ بیل موٹے اور جوان ہیں یہ بچھڑے دوہری منزل طے کریں گے دلی چھٹے روز داخل ہوگی مگر اب اس کمبخت نے کہا کہ "پورے پندرہ روز لگیں گے دلی یہاں رکھی ہے اسی کوس جگہ کیا منہ کا نوالا ہے" میں نے دیکھا کہ اس کے تیور بگڑ رہے ہیں اور وہ رستہ میں دغا دے تو اچنبھا نہیں اس لئے رات تو ہم نے خیر جوں توں کر کے ایک گاؤں میں گذار لی خوبن اور بچے پڑے سوتے رہے اور میں رات بھر جاگتی رہی۔ گوجر کمبخت بھی رات بھر جاگتا رہا اور جب وہ اٹھا میں کھنکاری آخر اس نے کہہ ہی دیا "مجھے نیند نہیں آتی" صبح اٹھتے ہی میں نے خوبن سے کہا "الٹی لوٹ چل یا تو ایک آدھ آدمی ساتھ لے یا گاڑی والا بدل" مگر اس کی سمجھ میں نہ آیا اور ہم سب پھر شہر کی طرف چلے دوپہر کو کنوئیں کے پاس دم لیا اور دو گھنٹے سستا کر آگے بڑھے رات ہم کو میناپورے میں ہوئی یہ میؤں کا گاؤں تھا میرا ماتھا نام سنتے ہی ٹھنکا۔ مگر خوبن کا دل شیر تھا وہ نہ ڈری اور ہم سب چوپال کے پاس اترے گوجر ہم کو چھوڑ کر غائب ہو گیا اور دس بجے رات کے آیا۔ تو بی خوبن اور دونوں بچے کھانا کھا کر سو گئے تھے۔ گوجر نے مجھ سے کہا تیری نیند کون لے گیا کل بھی تو رات بھر جاگی اور آج بھی نہیں

کے لوگ آنے لگے اور بی خوبن کی وہ پوجا ہوئی کہ خدا کی پناہ۔ مدرسہ میں تو ہم کوئی آٹھ دس ہی دن رہے اس کے بعد ایک بہت بڑا مکان جو بارہ دری کے نام سے مشہور تھا ہمکو مل گیا۔ کھانا تو ہم کو کبھی پکانا پڑا نہیں اور چاروں طرف سے اتنا آتا تھا کہ ہم جیسے بیس آدمیوں کو کافی ہوتا دونوں وقت دو مٹکے دودھ کے آتے تھے خوبن کے علاوہ ہماری بھی عزت ہو گئی پیرانی جی تو ایسی پجیں کہ آس پاس کے گاؤں بھی ان کے قدموں میں آگرے ہر وقت ایک میلہ سا لگا رہتا تھا۔ میرا بڑا نہال اب لگی بندھا جو کچھ آتا تھا اسی کے ہاتھ میں اور جس کا کام اٹکتا تھا وہ اسی کی خوشامد کرتا تھا کہ پیرانی جی دعا کریں تو کام ہو جائے۔

ہمکو یہاں رہتے ہوئے خاصے دو ڈھائی مہینے ہو گئے کوئی دن ایسا نہ جاتا تھا کہ خوبن کے پاس دو ڈھائی روپیہ کے پیسے نقد نہ آ جاتے ہوں بڑا نہال تیسرے چوتھے روز روپیہ بندھوا لیتا تھا خوبن کا تو کام چل گیا وہ کیوں گھبراتی مگر اب میرا دل اکھڑ گیا اور میں نے اس سے کہا کہ اب گھر چلنا چاہئے وہ بڑی مشکل سے راضی ہوئی اس خبر سے لوگ اور بھی زیادہ اس کے گرویدہ ہوئے غرض خدا خدا کر کے بڑی مشکل سے تین مہینے کے اقرار پر اجازت ملی عورتیں اور مرد اس طرح رو رہے تھے جیسے کوئی اپنا عزیز جاتا ہے صبح کی نماز کے وقت ہم گاڑی میں بیٹھے اور شہر کی طرف روانہ ہوئے دوپہر کو ایک گاؤں میں جس کا نام گرنت تھا ہم لوگ ٹھہرے۔ کھانا بہت کافی تھا اچھی طرح پیٹ بھر کر کھایا۔ کنوئیں کا ٹھنڈا پانی پیا اور درختوں کی چھاؤں میں تھوڑی دیر لیٹے گاڑیبان نے بیلوں

مرتی۔ ہمارے ہاں سے بہت کچھ کما کر لائی ہے وہ سب اُگلنا پڑے گا" میں نے جلدی سے خوبن کو جگایا اور اب جو دیکھتی ہوں تو چار آدمی موٹے موٹے لٹھ لئے سر پر کھڑے ہیں ان میں سے ایک نے کہا "اگر آواز نکالی تو ابھی مغز پھاڑ ڈالیں گے جو کچھ پاس ہو سب رکھ دو" پیرانی جی ذرا پھیلی تھیں اور اتنا ہی کہنے پائی تھیں کہ ہم "فقیروں کے پاس کیا خاک رکھا ہے" کہ ایک شخص نے اس کے مُنہ پر زور سے تھپڑ دیا اور کہا "اب اور بول" اس کے بعد تلاشی ہوئی جو کچھ پاس تھا سب چھین لیا۔ یہ خدا کا شکر ہے کہ موسم گرم تھا ورنہ اور مصیبت آتی اس میلے کچیلے جوڑے کے سوا جو بدن پر تھا دانت کریدنے کو تنکا تک نہ رہا ہمارے ساتھ آٹا اور گھی بہت تھا اور ہم سمجھتے تھے گھر پہنچ کر بھی کھائیں گے مگر وہ بھی چھین لیا اور اس کے بعد انہوں نے دیا سلائیاں جلا کر میری اور خوبن کی صورتیں دیکھیں۔ ہماری بھی تقسیم ہوئی اور اسی طرح دونوں بچوں کی بھی باری آئی وہ بھی بٹے۔ میں نے کہا کہ چھوٹا بچہ میرے ساتھ رہے تو اچھا ہے نہیں تو مر جائے گا لیکن کسی نے نہ مانا اور ہم جس جس کے حصے میں آئے تھے اس کے ساتھ چلنے پر مجبور ہوئے۔

میں نے ایک ایک کے آگے منت خوشامد کی قدموں پر سر رکھا لیکن وہ ظالم کیا مانتے خدا کا یہ بھی شکر ہے کہ میں جس کے پلے پڑی وہ بدمعاش نہ تھا اس کی گھر والی نے مجھے لونڈیوں کی طرح رکھا میری اصلی مصیبت کا آغاز اسی جگہ سے ہوتا ہے۔

میں صبح چار بجے سے اٹھا دی جاتی تھی اور ڈھوروں کا گوبر جمع کر کے اُپلے تھاپتی تھی اس کے بعد ان ڈنگروں کی سانی اور کُٹی کرتی

جب دوپہر ہو جاتی تو ان کو لے کر جنگل نکل جاتی چلتے وقت گھر والی دو موٹی موٹی روٹیاں مجھے دیدیتی۔ میں جنگل ہی میں مولیاں توڑ کر روٹی کھاتی۔ شام کو چاروں بھینسیں اور تین گائیں لے کر آتی تو پھر ان کے دھندوں میں لگ جاتی اگر کام سے ذرا غفلت کرتی یا کرنے کا ارادہ بھی کرتی تو مینا کہتا "مارے لکڑیوں کے سر کچا ڑ ڈلوں گا"۔

کوئی دن اور کوئی رات ایسی نہ جاتی تھی کہ میں اپنے بچوں کی یاد میں آنسو نہ بہاتی ہوں۔ میں نے ایک دفعہ دل کڑا کر کے اس مینے سے پوچھا تو اس نے کہا "تیرے دونو بچے اچھے ہیں۔ بڑا تو ذرا دور ہے مگر چھوٹا پاس ہی کے گاؤں میں ہے اب وہ بھی کام کاج خاصا کرتا ہے میں پچھلی سوموار کو گیا تھا اگر تو کام اچھا کرے گی تو تجھ کو اس چھوٹے سے ملوا دوں گا" میں اس کے قدموں میں گر پڑی کچھ اس کو مجھ پر رحم بھی آ گیا اور کہنے لگا۔ اچھا آج دوپہر کو یہ جو سامنے جھنڈ ہے اس کے نیچے پربت نگر میں آ جائیو میں بھی وہیں جا رہا ہوں تیرا چھورا بھی وہیں ہے۔ میں نے اس کو ہزاروں دعائیں دیں اور دوپہر سے پہلے ہی پہنچ گئی تو دیکھا کہ پربت میں وہ بھی ایک چھوٹا سا سرکنڈہ لئے بھینس چرا رہا ہے۔ میری جان میں جان آ گئی اسکو کلیجہ سے لگا کر دیر تک روتی رہی آخر مینے کے کہنے سے اس کو چھوڑ اپنے گاؤں آ گئی۔

سات مہینے اسی طرح گذر گئے ایک دن کا ذکر ہے کہ میں ندی پر ڈھوروں کو پانی پلا رہی تھی دوسری طرف میں نے ایک لڑکے کو دیکھا کہ وہ بھی پانی پلا رہا ہے مجھے اپنے بڑے کا شبہ ہوا آوازیں دیں مگر اس تک نہ پہنچیں تو جانور چھوڑ کر آگے بڑھی پاس پہنچی تو وہ میرا بڑا بچہ ہی تھا

اور سنتے ہی تڑپ اٹھا دوڑ کر آیا اور کلیجہ سے چمٹ گیا ہم دونوں اسی طرح چمٹے ہوئے رو رہے تھے کہ ایک شخص چیختا ہوا آیا اور بچے کا ہاتھ پکڑ کر الگ گھسیٹ لیا۔

بچہ کا چھٹنا میرے واسطے قیامت تھی میں نے گھر پہونچ کر اپنے چودھری سے سارا واقعہ حرف بہ حرف سنا دیا وہ بعض دفعہ جب میرے کام سے خوش ہوتا تھا تو رحم سے کام لیتا تھا اور تعریف بھی کرتا تھا اس وقت تو خاموش ہو رہا مگر دو تین روز کے بعد خود ہی کہنے لگا کہ اچھا میں تیرے لڑکے کو ملوا دوں گا میں اس روز سے بلاناغہ دوپہر کے وقت اسی جنگل اور تالاب پر جاتی مگر پھر مجھ کو نہ بچہ ملا نہ وہ ڈھورے۔ ایک دن کا ذکر ہے چھٹ پٹا وقت تھا کہ چودھری میرے لڑکے کو ساتھ لے کر آیا اور کہا دیکھ میں نے اس سے کہہ دیا ہے کہ اگر یہ رہنا چاہے تو یہاں شوق سے رہ کسی کی پرواہ نہ کر جلتونی والے دنگا مچائیں گے تو میں ان سے سلٹ لوں گا میں یہ سنتے ہی باغ باغ ہو گئی دونوں میاں بیوی کا شکریہ ادا کیا اور بیٹے سے کہا۔ جہاں آپ نے اتنا احسان کیا ہے اتنا اور کیجیے کہ چھوٹے کو بھی ملوا دیجیے ہم دونوں تینوں ان ڈھوروں کی خدمت پیٹ بھر کر کریں گے مینا یہ سنکر بہت خوش ہوا اور اپنے لڑکے سے کہا کہ جا پربت نگر سے اس کے چھوٹے کو لے آ۔

میں کس زبان سے خدا کا شکر ادا کروں رات کو وہ لڑکا بھی آ گیا میں نے اس سے چپکے سے پوچھا ارے خوبن کی بھی کچھ خبر ہے۔ تو وہ کہنے لگا ہاں وہ تو ہمارے ہی گاؤں میں ہے میں اس سے باتیں

کر رہی تھی کہ پربت نگر کا نمبردار آن پہنچا اور بگڑ کر کہنے لگا۔ "چھورے کا اجاڑ ڈالا ہے۔" ہمارے چودھری نے کہا "ارے دیا کر دونوں چھوکرے آئے ہیں کال چلے جائیں گے۔" بات بڑھ گئی اور اس نے کہا میں ابھی لے کر جاؤں گا ہمارے چودھری کو بھی ضد آ گئی اور اس نے قسم کھا لی کہ کال بھیجوں گا لیکن بارہ بجے رات کو پربت نگر والے آ گئے اور یہ کہہ گئے کہ صبح خون خرابے ہوں گے ہمارے چودھری نے کہا کہ تو دونوں بچوں کو لے راتوں رات بھاگ جا۔ صبح میں جو کچھ ہو گا دیکھ لوں گا میری تو جان میں جان آ گئی مگر ساتھ ہی خیال آیا کہ خوبن مری میں نے اسی وقت چھوٹے کو پکڑا کہ جا کر خوبن کو چپکے سے لا اری جان جوکھوں کا کام تھا اور میرا ہی دل گردہ تھا کہ میں نے جلتی آگ میں بچہ کو ڈال دیا مگر خدا ساتھ تھا کام بن گیا اور بی خوبن آ گئیں اس وقت ہمارے چودھری نے تھوڑا سا آٹا اور پیاز کی گٹھیاں ساتھ کیں اور کہا جاؤ بھاگ جاؤ۔

ایک یا دو بجے ہوں گے کہ ہم چاروں وہاں سے نکلے خدا کی قدرت کے قربان جائیے رات چاندنی تھی صبح ہوتے ہم کسی گاؤں میں پہونچے اور لوگوں کی آنکھ بچا کر ایک باغ میں گھس گئے خوبن نے کہا باغ میں ٹھہرنا ٹھیک نہیں یہاں لوگ آ جائیں گے الگ چلی چلو ہم نے کنواں تو کھانپ لیا اور آگے بڑھ کر ایک برگد کے نیچے ڈیرا جمایا۔ آٹا ہمارے ساتھ تھا پانی ایک لٹیے میں بھر لیا تھا۔ چکنے پتھر پر آٹا گوندھا اور دیا سلائی سے آگ سلگا کر موٹے موٹے روٹ ڈالے دوپہر سے پہلے ہی پہلے روٹیاں تیار ہو گئیں اور کھانے بیٹھے۔

اب ایک مزے کی بات سنو ایک جگہ دری بسندر خدا معلوم

کب سے بیٹھا تاک لگا رہا تھا میری آنکھ اودھر ہوتے ہی روٹیوں کی گٹھڑی کی گٹھڑی لے چلا میں اور خوبن بڑا اور چھوٹی بہتیرا چیخے اور چلائے مگر وہ کمبخت کیا چھوڑنے والا تھا درخت پر چڑھ گیا۔ میں نے سوچا کہ چٹیل میدان میں صرف یہ ایک درخت ہے باقی آس پاس کوئی درخت نہیں کب تک نہ اترے گا اور کتنی کھائے گا ہم چاروں نے اس کو پتھر مارنے شروع کئے مگر وہ بھی ایک چھچھڑ ہو کر بیٹھا اور روٹیاں چھاتی سے لگائیں کہ پتھر پر پتھر پڑ رہے تھے لیکن روٹی نہ چھوڑتا تھا خوبن کا ایک پتھر کھوپڑی پر ایسا لگا کہ کھوتا گیا اور سنبھلنے لگا روٹیاں نیچے گریں تو ہم نے اٹھائیں اور کھانے بیٹھے دن اسی طرح ہم نے گذارا شام کو تھوڑی سی روٹیاں اور پکائیں اور آگے بڑھے۔

سڑک پر پہنچے تو پربت نگر کی ایک بڑھیا کبڑی چلی جا رہی تھی ہم کو دیکھ کر بہت ہنسی اور کہنے لگی ابھی گاؤں کے لوگوں کو بلا کر تم کو پکڑواتی ہوں میتوں کی چوری کی اور یہاں بھاگ کر آئے ہو میں نے جتنی اسکی خوشامد کی نامراد اتنی ہی سر پر چڑھی اور لگی غل مچانے آخر خوبن نے سر کے بال پکڑ کر کہا آواز نکالی تو جان سے مار ڈالوں گی یہ کہہ کر دونوں ہاتھ خوبن نے پکڑے اور ایک پاؤں بڑے نے اور ایک چھوٹے نے ڈنڈا ڈولی بنا کر خوبن اسکو جنگل میں لے چلیں مجھے تو خبر بھی نہ تھی چار پانچ گز گہری ایک کھوہ خوبن نے یہاں دیکھ لی تھی وہاں پہنچ کر لگی بڑھیا ہاتھ جوڑنے اور سر جھکانے کہ رحم کرو اور چھوڑ دو میں تو شاید چھوڑ دیتی مگر لڑکے راضی ہوئے نہ خوبن اور تینوں نے مل کر اس مردود کو پھینک دیا خدا بہتر جانتا ہے کہ چوٹ کہاں کہاں لگی مگر خوبن نے کہہ دیا تھا کہ اگر رات تک

آواز نکالی تو مارے پتھروں کے بھرکس کر دوں گی۔

اب ہم بھاگم بھاگ چلے اور دم بھر کر کہیں نہ ٹھٹکے صبح ہم کو شاید پانی پت میں ہوئی یہاں پہنچ کر ہماری جان میں جان آگئی اور ہم نے جنگل میں ہی بسیرا لیا۔

ہم کو یہاں آکر معلوم ہوا کہ اب خدا کے فضل سے شہر میں امی جمی ہے اور یہاں کے نواب نے ایک محلسرائے میں دلی کے بھاگے ہوئے آدمیوں کا یہ انتظام کر دیا ہے کہ وہ دو دو دن رہ کر جہاں جانا ہو چلے جائیں گے۔ ہم چاروں بندے بھی اس محلسرا میں دو دن رہے کھانے کا انتظام خاصا تھا لنگر کی روٹی جیسی ہوتی ہے ویسی تھی خیر خدا کا شکر ادا کیا اور پیٹ بھرا ہم کو یہ بھی معلوم ہوا کہ جہاں پناہ کا مقدمہ ہو رہا ہے اور نمک حراموں نے زور شور سے حضور کے خلاف گواہیاں دی ہیں اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا کہ چار دن کی زندگی کے واسطے کیسے کیسے کمبختوں نے اپنا منہ کالا کیا۔

مقدمے کی خبر سنتے ہی ہوش جاتے رہے پر نہ تھے کہ اڑ کر پہنچ جاتے دوسرے ہی دن ہم کو خبر لگ گئی کہ مقدمہ کا فیصلہ ہو گیا اور سرکار رنگون بھیجدئے گئے اس خبر کے سنتے ہی پاؤں تلے کی زمین نکل گئی اور میں نے تو پکا ارادہ کر لیا کہ اب شہر نہ جاؤں گی مگر پردیس میں بھیک کب تک مانگتے اور کیا کرتے۔

پانی پت سے چل کر ہم بہادر پور میں آئے ایک دن اور ایک رات یہاں ٹھہر کر آگے بڑھے تو بی خوبن کو رستہ میں بخار چڑھ آیا ان کے لینے کے دینے پڑ گئے کہیں تیسرے دن ان کا بخار اترا تو گھر کا رخ کیا۔ یہاں پہنچ کر

شہر کی جو کیفیت دیکھی کلیجہ پر گھونسے لگ رہے تھے جدھر نظر جاتی تھی سنسان اور جس چیز کو دیکھتی تھی اجڑی ہوئی حضور روانہ ہو چکے تھے اس خیال نے تمام امیدوں کا خاتمہ کر دیا اور دل زندگی سے سیر ہو گیا مگر جو کچھ گزری خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ کس طرح گزری۔

یہاں تک بیان کرنے کے بعد شہزادی قمر آرا کی بیگم کی آنکھ سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے ان کے آنسوؤں نے شمع جھلملا دی اور پر نگاہ اٹھا کر دیکھا تو آسمان کروٹ لے رہا تھا اور تارے دامن شب سے جدا ہو رہے تھے۔

بیگم نے اپنے پھولوں کی لپٹ سے مجلس کو مست کیا اور کہا بوا یوں شمع جھلملا گئی اور پھول کمھلا گئے رات ختم ہو گئی۔

"ہمیشہ رہے نام اللہ کا"

شہزادیوں کا نالہ ختم ہو چکا اور وہ رات جس نے مدتوں کے بچھڑے ہوئے کبھی کی رخصت ہوئی، یہ متبرک صورتیں جنہوں نے جہاں آباد اور اس کے حکمراں پر فاتحہ کے پھول چڑھائے میرے سامنے ایک ایک کر کے اٹھی ہیں شاداب پھولوں کا یہ گلدستہ جس کی خوشبو نے دماغ معطر کیے، دلی اور بہادر شاہ کو یہ رونے والے جن کی آنکھوں نے پہلے ہیں موتی برسائے، میرے روبرو فنا ہوئے، میرے کے پڑھنے والے، اس مضمون کو کہانی سمجھیں، یا فقرہ، مگر میرے دل سے پوچھو، کلیجہ کے ٹکڑے اڑتے ہیں جب وہ سماں یاد آتا ہے جس وقت عالم خیال میں وہ صورتیں سامنے لاتا ہے اور حافظہ مٹنے والی صورتیں سامنے لا کھڑی کرتا ہے تو دل وحشی ٹکریں مارتا ہے وہ رات جس کے ہر لمحہ میں، صداقت و انسانیت کے

خزانے دفن تھے، اپنے ساتھ بہت کچھ نہیں کچھ لے گئی، جہاں آباد اپنی رونق اور چہل پہل وداع کر چکا، جن گھروں سے محبت و ایثار کے چشمے پھوٹے، جن دہلیزوں نے حقانیت کے ڈنکے بجائے آج سنسان و خاموش ہیں اور جن محلوں کی سرزمین سے درس وفا کی آندھیاں اٹھی ہیں وہاں اس وقت خاک اڑ رہی ہے۔

شہر کی بہت سی عمارتوں کے آثار کھنڈر بنے پڑے ہوئے ابھی تک نقش پا کا پتہ دے رہے ہیں مگر پھول والی بیگم کی صدا "پلٹیں آ رہی ہیں سو تیا کی" جو جہاں آباد کی فضا میں گونجی ہے اور جو اس رات کی شمع اور اس بزم کی عروس تھی مدتیں ہوئیں فنا ہو چکی۔ مگر اس کی مہک اب بھی میرے کانوں میں بس رہی ہے اور جب کبھی فراشخانہ کے سامنے سے گزرتا ہوں تو آنکھیں اس ٹیلے کو ڈھونڈتی ہیں جہاں سے یہ صدا بلند ہوتی تھی اور جیبوں کے پھول خاندان تیموریہ کی بدبخت بیگمات کے انقلاب کی داستان سناتے تھے۔

یہی وقت زمین و آسمان خاموش آنسوؤں میں رات کو وداع کر رہے تھے اس وقت کا درد انگیز منظر انسانی نظر بہت کم دیکھے گی شمع کی روشنی اور تاروں کا اجالا دونوں پھیکے پڑے، دنیا اپنے چہرہ سے رات کا برقع سرکا رہی تھی آسمان کی سیاہی آہستہ آہستہ سپیدۂ صبح میں جذب ہوئی اور تیموری بیگمات کا یہ دستہ باد سحر کے جھونکوں سے کھلنے کے بجائے منتشر ہوا جب صحبت شب کی یادگار مرے ہوئے پان مرجھائے ہوئے پھول، بکھری ہوئی چھالیہ اور فرش کی سلوٹیں باقی رہ گئیں تو ایک شگفتہ صدا

بلند ہوئی اور بادشاہ کی مغفرت کی دعا ہوئی اس وقت تماشائیوں نے جن میں عورتیں اور مرد دونوں شامل تھے گوہر آرا بیگم سے درخواست کی کہ زیادہ انتظار ہمارے واسطے پہاڑ ہوگا۔ حضور کی جدائی نے ہمارے دلوں میں زخم ڈال دیے ہیں۔ رات نے ہمارے زخموں کا مداوا کیا اور آپ نے ہمارے چکنا چوروں پر مرہم کے بجائے رکھے کل بسنت تھی آج میلہ ہو اور رات کو اسی میدان میں باقی داستان ختم کیجیے کیونکہ کے جانے میں زحمت ہوگی اور دل کے ارمان دل میں رہ جائیں گے شام پکڑنی مشکل ہے رحم کیجیے اور ایک دن ہو یا دو دن لگاتار رکھیے۔

اس درخواست پر سخت اصرار ہوا اور جب یہ طے ہوگیا کہ "میلہ تین روز اور رہے گا" تو لوگ خوشی کے مارے اچھل پڑے اور دکانداروں نے اپنی دکانوں کا اور سیلانیوں نے اپنے ڈیروں کا راستہ لیا۔

اجڑا ہوا میلہ جہاں ہر طرف جھاڑ جھنکار رہتے، بیوہ کی طرح ایک مرتبہ پھر دلہن بنا، جبین عروس پر دن ڈھلتے ہی افشاں چنی جانے لگی آج بھی بسنت کا ہی زور تھا اور قدرت بھی شہر والوں کے مجروح جذبات کی ہمنوائی کر رہی تھی خود رو پھولوں کی زردی نے میلہ کی شان دوبالا کر دی اور غروب آفتاب کے ساتھ ہی شمع نے اپنے آنسوؤں میں دلی والوں کو آج پھر دور گزشتہ کی تصویر دکھا دی۔

گوہری تمبو کل سے زیادہ آراستہ تھا اور خلقت ہی اس طرح ٹوٹ رہی تھی کہ بیٹھنے کو جگہ نہ تھی نہ کھڑے ہونے کو مجبور مچان بنایا گیا اور تخت پر گوہر آرا بیگم غدر کی ماری شہزادیوں کو ساتھ لے کر بیٹھیں۔

جلسہ عشا کے بعد شروع ہوگیا سب سے پہلے پھول والی بیگم نے اپنے چھپے کھولے موتیا کی بھینی بھینی خوشبو نے دماغ معطر کر دیے اور تنبو میں یہ صدا گونجی۔

"لپٹیں آ رہی ہیں موتیا کی"

پیسہ پیسہ اور دو دو پیسے کے پھول بکنے شروع ہوئے ادھر گاہکوں کی آواز تھی کہ "ایک پیسہ کے اور" "دو پیسہ کے اور" ادھر بیگم لہک رہی تھی۔

"کٹورا ہے پھول موتیا کی، موتیا ہے گجراتی"

چوٹی دار دو چھپے آدھ گھنٹے میں ختم ہوگئے تو گوہر آرا بیگم نے کہا بس لو بیگم اب ایک چھبا رہنے دو دیر ہو رہی ہے" شمع گھومنی شروع ہوئی کچھ پڑھنے پڑھانے کو نہیں بلکہ مقرر کی صورت دکھانے کو سب سے پہلے گوہر آرا نے اپنے ہاتھ سے شمع قیصر جہاں بیگم کے سامنے رکھی اور کہا "ہاں بیگم اپنی بیتا سنائیے لوگ مشتاق ہیں۔" قیصر جہاں بیگم نے پان کھایا اور مجمع کی طرف دیکھ کر کہا۔

(۴) شہزادی قیصر جہاں بیگم کی آپ بیتی

دلی والوں ہاتھ اٹھا کر دعا کرو "الٰہی جہاں پناہ کو کروٹ کروٹ جنت نصیب ہو" دعا ہو چکی تو قیصر جہاں بیگم نے کہا۔

"نیاز علی مخبر جس کا دور دورہ تھا اور سچ پوچھو تو موت کی کل جس کے ہاتھوں میں تھی میرے شوہر مرزا اسکندر کی پھانسی کا حکم مجھ کو دوپہر ہی کو سنا چکا تھا۔

اس نامراد کافر نے جو ستم توڑے ہیں فرعون اور نمرود نے بھی نہ توڑے ہونگے اس ناہنجار نے سینکڑوں بیگناہوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا میرے شوہر سے اسکو سدا کی لاگ ڈانٹ تھی اسی نے جھوٹی مخبری کی اور بیمار کو پکڑوا دیا اس اندھیر کو دیکھو کہ گٹھیا کا بیمار جو چلنا پھرنا تو درکنار کھڑا تک نہیں ہو سکتا کیا لڑے گا اور کیا مارے گا مگر اندھیر نگری اور چوپٹ راج تھا شاباش ہے ان عقلوں پر جنہوں نے یقین کیا اور پھانسی کا حکم دیدیا مرزا بیچارے نے لاکھوں قسمیں کھائیں اور بہتیرا ہی کہا "میری تو دونوں ٹانگوں رہی ہوئیں ہیں" مگر کسی نے دُسنی۔ نیاز و کمبخت کی خدائی تھی جسکو چاہا پستوا اور کھٹمل کی طرح دم بھر میں مسل دیا۔ اس مردے کی صورت دیکھتے ہی میرے ہوش اُڑ گئے تھے کہ دیکھے جوانا مرگ کس کی شنادی لاتا ہے کہ اس نے کھچڑی ڈاڑھی پر ہاتھ پھیر کر کہا "مرزا جی جارہے ہیں ملنا ہے تو مل لو اور چار پانچ گھنٹے کے مہمان ہیں۔ اماں جان اندر بیٹھی ختم پڑھ رہی تھیں سنتے ہی دھم ہو گئیں اور باہر نکل کر کہا "الٰہی مُردے نیاز و تجھے ڈھائی گھڑی کی۔ خدا کی لاٹھی بے آواز ہے تو تجھے غریبوں کا صبر خالی جاتے یہ ہونا نہیں خدا اور اس کا رسول چاہے تو تن بدن میں کوڑھ ٹپکے گی اور رنجھ رنجھ کر مرے گا۔

وہ ناشاد تو چلتا گھر اتھا سینکڑوں گھر اُجڑوائے مرزا بیچارے کس گنتی میں تھے یہ کہہ سیدھا ہو لیا کہ "کوؤں کے کوسنے سے ڈھور نہیں مرتے" اور ہماری آنکھوں میں دُنیا اندھیر ہو گئی ان دونوں پھانسیاں دو جگہ ہوتی تھیں کوتوالی چبوترے پر اور جمنا کی ریتی پر۔ ہم دونوں ساس بہوئیں پہلے کوتوالی گئے وہاں معلوم ہوا کہ شام کو پانچ بجے دریا پار ماری جائے گی یہاں سے ادھر گئے تو سینکڑوں بدنصیبیں کھڑی اور بیٹھی کلیجوں پر گھونسے مار رہی تھیں ٹکریں مار مار شام پکڑ دی

عصر کے بعد بے قصوروں کا ٹانڈ آیا مرزا کو دیکھ کر آپا جان نے ایک چیخ ماری اور چاروں طرف کہرام مچ گیا ایک فرنگی نے آکر سب کو قطار میں کھڑا کیا اور سپاہیوں نے بندوقیں چھوڑ دیں۔ بیچارے اللہ مارے تڑپ تڑپ کر چلتے ہوتے اور جہاں پناہ کا زمانا صحیح ہو گیا۔"

"نہ کفن ملا نہ وہ دفن ہوئے نہ ہے فاتحہ نہ مزار ہے۔"

آپا جان مرزا کے گرتے ہی لپکیں وہ ٹھنڈے ہو چکے تھے گولی کنپٹی میں لگی تھی اور خون بہہ رہا تھا۔ انہوں نے سر اٹھا کر گود میں لیا اور پیار کرنے لگیں کہ اسی مردے نیاز و نے لاش چھین لی اور دھکا دیکر کہا "بڑھیا آگے بڑھ" لاشیں بھنگیوں اور چماروں نے اٹھا کر دریا میں پھینکدیں اور ہم سب جدھر جس کا منہ اُٹھا روتے پیٹتے چلے گئے۔ آپا جان بارہ مہینے کی بیمار تھیں اور جب سے بڑے مرزا کو گٹھیا ہوئی تھی وہ دن بھر اور رات رات بھر وہاں روتی تھیں عمر بھر کی کمائی یہ ہی ایک دم تھا سنبھل نہ سکیں۔ میں انکو لئے ایک درخت کے نیچے بیٹھی تھی کہ انکو زور کی کھانسی اٹھی اور کھانسی کے ساتھ ہی سانس اکھڑ گیا اور انہوں نے پانی مانگا وہاں پانی کہاں میں دریا کی طرف دوڑی چلو میں پانی لائی مگر وہ میرے پہنچنے سے پہلے ہی اللہ کی پیاری ہو چکی تھیں۔

میرا کلیجہ منہ کو آرہا تھا اور اکیلی بیٹھی انکی صورت دیکھ رہی تھی کہ نیاز و مردے نے پیچھے سے آکر کہا "ارے بڑھیا بھی لڑھک گئی" اس کے ساتھ ایک سپاہی تھا دونوں نے مردے کو لیجا کر دریا میں پھینک دیا۔ میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ یہ نمک حرام نیاز و جو نانا جان کا غلام تھا طوطے کی طرح دیدے بدل اپنی ہستی بھول جائے گا وہ رہی تھی کہ وہ ہنستا ہوا آیا اور کہا "اب تم مجھ سے نکاح کر لو" میرے سر سے جو لگی تو تلوؤں سے نکل گئی بدن بیری کی طرح تھر تھر کانپنے لگا۔ آگے

بڑھ کر میں نے اس کے پٹھے پکڑ لئے اور کہا "موئے پاجی تیری یہ ہستی کہ اس منہ سے
نکاح کا نام لے" مگر کجا میں عورت اور کجا وہ مرد جھٹکا دے ہنستا ہوا سامنے کھڑا
ہو گیا اور کہنے لگا اسی میں خیر ہے نہیں تو دو دو دانوں کو ترسو گی ادب ودب کو پھونک
دو اور آج ہی نکاح کر لو" میرے بدن میں آگ لگ رہی تھی اور وہ ناشاد ہنسے جاتا
تھا ایک کی ہزار سنائیں مگر اللہ رے بے غیرتی نوسو کی بندی کے ڈنر پر رکھی۔ جوا-
مرگ پر اثر ہی نہ ہوتا تھا۔ شام ہو چلی تھی کہنے لگا اس جنگل میں کوئی شیر بھیڑیا یا دیو کھا
جائے گا کب تک بیٹھو گی کیا کھاؤ گی اور کہاں سوؤ گی۔ میں کیا بتاؤں کہ کیا گذر رہی
تھی جی چاہتا تھا موئے کو کچا کھا جاؤں آگے بڑھ کر پھر پکڑا اور ایک دوہتڑ پورے
زور سے مارا مگر اس ناشاد پر کیا اثر ہوتا میں اسکو کوس رہی تھی کہ پیچھے سے آکر کسی
نے کولی بھری ہاتھ اس نے پکڑے اور پاؤں کمبخت نیازو نے اور مجھ کو ڈنڈا ڈولی
کرکے چلے خدا ہی جانتا ہے آدھی تھی یا پچھلا یہ دونوں ملعون مجھکو ایک ٹوٹے ہوئے
برج میں لائے اور نیازو نے چاقو نکال کر کہا "اگر آواز نکالی تو جان سے مار ڈالونگا"
اب اور مصیبت یہ آئی کہ سپاہی موا قاضی بنا اور نیازو مُردا دولہا قاضی
جی ہندو تھے جن کو ایک حرف خطبہ نہ آتا تھا انہوں نکاح پڑھایا مجھ پر جو بپتا پڑی
خدا دشمن پر نہ ڈالے کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کروں جی چاہتا تھا کہ ان نابکاروں کو
ایسی جگہ ماروں جہاں پانی تک نصیب نہ ہو مگر اب تو میں خود ہی مر رہی تھی مجھے
اس وقت وہ سماں یاد آرہا تھا جب بڑے ننھے کے پیدا ہونے پر جہاں پناہ
نے خود عقیقہ کیا تھا۔ چھٹی کے روز گجردم حمام رکھا اور میں ہوائی محل میں
جہاں پناہ کے ہاں پہنچ گئی دن بھر کی چہل پہل مردوں اور عورتوں کا غل
غپاڑہ کان پڑی آواز نہ سنائی دیتی تھی۔ شام کو حضور عالم نے آکر فرمایا۔
"زچہ کو تارے دکھاؤ"

میرے اور ننھے کے ماتھے پر کار چوبی ٹپیاں جو آغاجان نے بھیجی تھیں
باندھی گئیں یہ ٹپیاں میری بڑی نند نے خدا ان کو کروٹ کروٹ جنت نصیب
کرے باندھی تھیں ان کو سات اشرفیاں نیگ کی ملیں۔ دولہا میاں کو بلا کر
چھپر کھٹ میں بٹھایا اور تیر کمان ان کے ہاتھ میں دی کہ "لو میاں مرگ مارو"
مرزا صاحب نے ایک خالی تیر چھپر کھٹ کی چھتری پر چھوڑ دیا اور میں سب کے
کہنے سے تین لاتیں چھپر کھٹ کے مار کر کھڑی ہوئی اور باہر آکر آسمان کو دیکھا
دائی نے اسوقت آٹے کی چار چوکیں بنائیں ایک بڑی سی تھالی پر گندھا ہوا آٹا
رکھ کر اس میں چار جگہ موم بتی رکھی اور بچہ کو میری گود میں دیا دو عورتوں نے
شمع لی ایک نے قرآن مجید کا سایہ کیا اور دو نے تلواروں کا کہ بچہ جن بھوت
ہر بلا سے محفوظ رہے۔ میں تارے دیکھ رہی تھی۔ بیویاں رال اڑا رہی تھیں
اور میراسنیں لہک لہک کر گا رہی تھیں۔ اتفاق سے اُس روز ایک
انگریز قلعہ میں آیا تھا وہ بھی جہاں پناہ کا مہمان ہوا اور سرکار کی اجازت
سے اس نے اس وقت کی ایک تصویر اتاری ایک تصویر سرکار نے مجھ
کو بھی دی تھی اور وہ ابتک میرے پاس موجود ہے میری نظروں میں اس
وقت وہ سماں پھر رہا تھا اور جی چاہتا تھا کہ دونوں بدمعاشوں کو زندہ گاڑ
دوں۔ خیر یہ بات سمجھ میں آئی کہ نرمی اور دھوکے سے کام لوں۔ تقدیر سے سپاہی
بھاگوان ایسا بے خبر ہوا کہ خراٹوں کی آواز برج سے باہر جانے لگی۔ میں نے
نیازو سے کہا کہ "جو ہونا تھا وہ ہو گیا اب خدا انجام بخیر کرے پیاس
کے مارے مر رہی ہوں دو گھونٹ پانی تو لاؤ" اتنا سنتے ہی اس ناشدنی
کی تو جان میں جان آگئی وہ پانی کو گیا اور میں بُرج سے باہر نکل ایک طرف
کو ہولی مجھے خبر نہیں کہ کہاں ہوں اور کدھر جا رہی ہوں۔ صبح ہوئی تو ایک

پلیا کے اندر گھسی اور دن وہیں ٹیر کیا۔ کربلا کا مزا آگیا۔ دانہ نہ پانی دن بھی قیامت کا تھا کہ ختم ہی نہ ہوا خدا خدا کر کے شام ہوئی تو پھر جنگل کا رستہ لیا اور رات بھر بھاگتی رہی صبح ہوتے دکھنی پورے میں پہنچی اب مجھ میں بات کرنے کی ہمت نہ تھی خدا کی قدرت کے قربان جایئے ایک بڈھا مسلمان روٹیاں اور گڑ بانٹ رہا تھا اس نے مجھکو دو روٹیاں اور گڑ کی ڈلی دی مجھے تو وہ امرت تھی ہاتھوں ہاتھ لی اور ایسی گری کہ دم بھر میں دونوں روٹیاں چٹ کیں اسکا بچہ بیمار تھا مجھ کو بھوکا دیکھ کر دو اور دیں وہ کھا کر خدا کا شکر کیا اور اس سے کہا "بابا تھوڑا سا پانی بھی پلوا دو" وہ اپنے ساتھ لے گیا اور پانی پلوا کر کہا یہ بچہ بیمار ہے اس کے واسطے دعا کر۔ اے مولا نثار جاؤں مجھ ناچیز بندی کی دعا کیا مگر اس نے ایسی سنی کہ بچہ رات ہی کو اٹھ بیٹھا اب تو میری وہ آؤ بھگت ہوئی کہ کیا کہوں سارا گھر پوجنے لگا۔ جانے کا نام لیتی جب ہی بڈھا اور اس کی بیوی روتے، بچے کبھی مجھ سے ایسے ہلے کہ دم بھر کو بھی نہ چھوڑتے اور ایمان کی بات تو یہ ہے کہ میرا بھی دل لگ گیا۔ جب حضور کے رنگون جانے کی خبر سنی تو میری ہچکی بندھ گئی اور آنے کا ارادہ کیا۔ بڈھے نے مجھے خود یہاں تک پہنچایا۔ یہاں آکر سنا کہ اس نامراد نیازو کی کھٹیا کٹ رہی ہے اور پیٹھ میں اوٹ نکلا ہے میں بھی اس کے ہاں گئی نابہجار کی ایک چیخ آسمان تھی اور ایک زمین شاید دس گیارہ روز اس طرح تڑپ تڑپ کر مرگیا۔

وہ وقت گزر گیا اور یہ وقت بھی گزر جائے گا مگر اب بھی جب کبھی اس برزح والے نکاح کا خیال آتا ہے تو جی چاہتا ہے کہ نیازو مردے کی بوٹیاں نوچ لوں۔

قیصر جہاں بیگم کی داستان ختم ہوئی تو آدھی رات ختم ہو چکی تھی نیازو مخبر پر چاروں طرف سے لعنت کے نعرے پڑنے لگے آخر گوہر آرا بیگم نے کہا "بیویوں وہ مرگیا اب اس کو برا کہنے سے کیا فائدہ اس نے جیسی کی بھگت رہا ہوگا"۔

جب مجمع خاموش ہوگیا تو پھر وہی صدا گونجی "لپٹیں آرہی ہیں موتیا کی" بیگم کی سریلی آواز نے دلوں کی کلفت زائل کردی ادھر پھولوں کی مہک ادھر تیموری بلبل کا نغمہ، آدھی رات کا وقت، سناٹے کے عالم میں دلوں کی عجیب کیفیت ہوگئی صاحب بزم یعنی گوہر آرا بیگم نے اپنی چچازاد بہن برجیس دولہن کے سامنے شمع رکھی اور کہا:۔

"بیگم اب محفل آپ کی داستان سننے کی مشتاق ہے آپ جہاں پناہ کو سب سے زیادہ عزیز تھیں اور حضور اپنی آنکھوں سے دم بھر کو اوجھل نہ فرماتے تھے۔ آپ اپنی بپتا سنایئے"۔

(۵) شہزادی برجیس دولھن کی آپ بیتی

برجیس دولہن نے ادھر ادھر دیکھ کر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا "بیویوں حضور ہم سے جدا ہوگئے اور سات سمندر پار دنیا سے رخصت ہوتے ہم کو ان کا آخری دیدار نصیب نہ ہوا زندگی کے جو تھوڑے دن باقی ہیں وہ اسی حسرت میں کٹ جائیں گے۔ سب سے پہلے حضور کی مغفرت کے لئے ہاتھ اٹھاؤ"۔

برجیس دولہن کی زبان سے ادھر حضور کا نام نکلا ادھر آنکھوں سے آنسو نکلے اور ان کے ساتھ ہی مجمع پر رقت طاری ہو گئی عورتیں اور مرد سب اپنے بادشاہ کی یاد میں رو رہے تھے۔

جب دعا ختم ہو چکی تو گوہر آرا بیگم کے تقاضے پر برجیس دولہن نے کہا۔

"جب گولیوں کی باڑھ اور پھانسیوں کی قطار کا زور ہو رہا تھا تو میں بدنصیب شہر ہی میں تھی۔ ننھے دولہا کو موتیا جھرا نکل رہا تھا۔ گھر میں صرف ہم دو میاں بیوی ہی تھے اور کوئی آشنا نہ تھا کہ دوائی ٹھنڈائی تو درکنار دو گھونٹ پانی ہی لادے۔ پکڑا دھکڑی کا یہ عالم کہ جو باہر نکلا پھر نہ پلٹا صبح کو گیا تو دوپہر کو اور دوپہر کو نکلا تو شام کو پھانسی کی خبر آگئی۔ ہماری گلی میں کھاری پانی کا کنواں تھا رات کو چپکے سے جاگی اور دو لوٹے بھر لائی خدا بھلا کرے بیچارے احمد عطار کا کہ اس نے مجھ کو خاکسیر اور عناب کے شربت کی ایک بوتل دے دی تھی۔ دونوں وقت بیمار کو وہی پلا دیتی دوسرے تیسرے وقت خالہ کبریٰ کچھ چنے دے دیتیں۔ وہی کھا کر پانی پی لیتی۔ مہینہ سوا مہینہ اسی طرح کیا گرتے دولہا کا بخار نہ اترا صبح کو ہلکا ہو جاتا۔ مگر دوپہر سے پہلے اور چڑھتا ہڈیاں ہی ہڈیاں رہ گئی تھیں مزاج ایسا چڑچڑا ہو گیا تھا کہ بات بات پر بگڑتے تھے۔ میرا محلہ خانم کے بازار سے ملا ہوا تھا اور ابھی تک اللہ کا فضل تھا کہ حکیم بادے کے داماد نے ایک نشہ میں کسی گورے کی ٹوپی اچھالی اور اس کمیم کو پکڑ لیا۔ اب کیا تھا شام تک تو

چاروں طرف گورے گورے تھے۔ گھروں میں گھس گھس کر مردوں کو پکڑا اور مارا لیکن آدھی رات کو جا کر امی جمی ہوئی۔ میں کنڈی لگائے جانماز پر بیٹھی اللہ اللہ کر رہی تھی اور رست ہی ست پر جان کتی۔ پچھلا پہر ہو گا کہ خالہ کبریٰ نے آواز دی۔ میں نے دروازہ کھولا وہ اندر آئیں اور کہا جس طرح ہو ابھی یہاں سے بھاگو صبح کو سارا محلہ توپ سے اڑے گا۔

میں سر پکڑ کر بیٹھ گئی اور کہا " بھلا خالہ میں کس طرح بھاگ سکتی ہوں۔ ننھے دولہا کو کیونکر لوں یہ نہ چل سکتے ہیں نہ اٹھ سکتے ہیں ان میں رکھا ہی کیا ہے ہڈیاں ہی رہ گئی ہیں" وہ بولیں " دیر کا موقعہ نہیں جس طرح ہو اٹھاؤ"۔ سب پکڑ کر لے چلیں گے۔ میں تو جانوں تین بجے ہوں گے کہ ہم سب بھرا گھر چھوڑ چھاڑ شہر سے نکلے۔ بیمار کو ڈنڈا ڈولی کیا اور ایک طرف چلے۔ صبح ہم کو نظام الدین میں ہوئی مگر ہم آگے بڑھ گئے۔ دن بھر کیا گزری رستہ کس طرح کٹا اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ کھیل کا دانہ بھی اڑ کر منہ میں نہیں گیا پیاس کے مارے جان نکلی جاتی تھی مگر پانی کا پتہ نہ تھا کنوئیں تھے مگر رسی تھی نہ ڈول شام کو خواجہ صاحب کے قریب ہم کا کا گاؤں میں پہنچے پنہاریاں ایک کوئیں میں پانی بھر رہی تھیں وہاں ٹھہر کر پانی پیا اور بیمار کو بھی پلایا۔ چاند نکل آیا تھا اور ہم بڑ کے نیچے پڑے تھے کہ جاٹ آئے اور دونوں مردوں کو پکڑ کر لے گئے میں اور خالہ کبریٰ رہ گئے سوچ رہے تھے کہ کیا کریں۔ اتنے میں وہ دونوں مرد خالہ کے میاں اور لڑکا خوش خوش آئے۔ ٹکے کا بھرا ہوا تھال شکر اور دہی پڑا ہوا اُن کے پاس تھا دیکھ کر جان میں جان آگئی اور اس بری طرح ٹوٹ کر تنگلوں کو بھی مات کیا رات ہم نے وہیں گزاری اور صبح ہم پانچوں آگے بڑھے۔

دوپہر تک تو ہم راستہ پر چلے۔ بیمار کی وجہ سے آگے نہ چلا گیا۔ باری باری کرکے تھوڑی دور سب لے جارہے تھے۔ دھوپ تیز ہوگئی تو ہمارے تھکنے سے پہلے ہی بیمار کی حالت ردی ہوگئی۔ آنکھیں بند ہوگئیں اور سانس نام کو رہ گیا۔ خالہ کبری نے دیکھ کر کہا "ارے خدا کے لئے ٹھہرو ذرا نتھے دولہا کو تو دیکھو کیا ہو رہا ہے" میں آگے تھی ایسا معلوم ہوا کہ کلیجہ میں کسی نے گھونسا مارا۔ جان نکل گئی۔ ٹھٹکی تو کیا دیکھتی ہوں کہ منہ کا تک ڈھل گیا ہے کیکر کے کمبخت درخت کے نیچے جہاں کانٹے ہی کانٹے پڑے تھے ٹھیرے۔ میں نے اپنے ہاتھوں سے زمین صاف کی ان کو لٹایا۔ دوپٹوں سے پنکھے جھلے تو خالہ نے کہا کہ پھیپھڑیاں بندھی ہوئی ہیں دو گھونٹ پانی کے ہوں تو حلق تر ہو جائے۔ شاید آنکھ کھولیں مگر وہاں پانی کہاں میں تو خدا کی قدرت کی اس دن ایسی قائل ہوئی کہ عمر بھر یاد رکھوں گی رو رو کر چاروں طرف دیکھ رہی تھی کہ سامنے سے دو گورے کندھوں پر بندوق رکھے آتے دکھائی دیئے۔ ہم سب کی روح فنا ہوگئی۔ ان میں سے ایک آگے بڑھا ہم نے آنکھیں بند کرلیں اور کلمہ درود پڑھنے لگے کہ اب یہ گولی ماردیں گے۔ وضو بھی نصیب نہ ہوا۔ چھپنے کی کہیں جگہ نہیں بچنے کا موقعہ نہیں۔ کھڑے کھڑے کانپ رہے تھے کہ گورے سر پر آپہونچے اور پوچھا۔ ہرن ہرن ہرن آیا ہرن آیا ہرن آیا خالہ کبریٰ نے ہمت کی اور کہا "نہیں صاحب ہم نے نہیں دیکھا یہ سنکر انہوں نے بیمار کو دیکھا اور پانی کی چھاگل دے کر کہا پانی۔ پانی" پانی ......

ہم لرزتے رہے اور دونوں گورے پانی دے چلتے ہوئے ہم نے جس طرح ہوا چار دیں پانی لے کر بیمار کے حلق میں ٹپکایا اور اس نے ذرا آنکھ کھولی تو جان میں جان آگئی۔ خدا اپنی قدرت کے کیا تماشے دکھاتا ہے۔

ملک الموت کو رحمت کا فرشتہ بنا دیا۔ بھوک کے مارے ہم بلبلا رہے تھے۔ کہ ہمارے سامنے ایک زخمی ہرن لنگڑاتا ہوا آیا اور گر پڑا خالہ نے اسے پکڑ لیا تو سامنے سے ایک گڈریا بکریاں چراتا آیا اور کہنے لگا "یہ زخمی ہے مر جائے گا لاؤ ذبح کردوں" ہم نے کہا "تو مسلمان ہے" اس نے کلمہ پڑھا۔ ہم نے کہا "بسم اللہ" اس نے چاقو نکال کر ذبح کیا ہم کو خبر تھی نہیں سامنے ہی گاؤں تھا بھاگا ہوا گیا اور سب چیزیں لے آیا۔ اسی نے کھال اتاری۔ اسی نے آگ جلائی۔ اسی نے ہنڈیا دی وہ ہمارا مہمان ہوا اور ہم اس کے مہمان ہوتے سب نے ملکر خوب کھایا اور خدا کا شکر ادا کیا گڈریے کا یہ لڑکا اٹھارہ بیس برس کا ہوگا گاؤں کے رہنے والا جس کو شہر کی آب و ہوا چھو تک نہ گئی۔ کیسا نیک اور شریف کہ قلعہ کے ایک لڑکے کو یہ بات نصیب نہ تھی ہم کھا چکے تو چار گھڑی دن باقی تھا۔ ارادہ کیا کہ آگے بڑھیں مگر اس نے نہ جانے دیا مجھے اس کے بھولپن پر بہت ہنسی آئی کہنے لگا "میرا چھوٹا سا گھر ہے۔ ہم دو ماں بیٹے اس میں رہتے ہیں تم لوگ رات کو مزے سے سوؤ میں بھی رہونگا" شام کو وہ اپنی ماں کو بھی لے آیا اور دو گھڑے پانی بھی بھر دیئے ایسی محبت کے لوگ میں نے تو عمر بھر نہیں دیکھے جب ہم جانے کا نام لیتے وہ لڑکا منہ بنا کر کھڑا ہو جاتا اور کہتا کہ مکئی اور باجرا خدا کا دیا بہت ہے یہیں رہو اور کھاؤ اللہ سب مشکل آسان کرے گا۔

میرے میاں ننھے دولہا جن کی حالت اتنی خراب ہوگئی تھی کہ بچنے کی امید کیا گھڑی ساعت پر تھے۔ بغیر دوائی ٹھنڈائی کے ایسے اچھے ہوگئے کہ اچنبھا ہوگیا۔ بخار اتر گیا اور جنگل کے ہوا اور پانی نے وہ طاقت دی کہ سب دنگ رہ گئے۔

بیچارے امرو نے ہمارے واسطے نہر کے کنارے ایک جھونپڑی ڈال دی وہ دونو ماں بیٹے بھی وہیں آ گئے۔ یہاں چھوٹا سا باغیچہ تھا۔ کوئی سات آٹھ نیم کے درخت تھے اور دو تین املی اور جامن کے ہم یہاں خوش تھے مگر ایک بات کا مجھ پر بڑا بوجھ تھا کہ اس غریب سے رشتہ نہ ناتا۔ مفت کی روٹیاں توڑ رہے ہیں خالہ نے ایک دن اس سے کہا کہ تم مجھ کو تھوڑا ریشم اور ایک کرتہ کی ململ لا دو وہ جا کر لے آیا تو انہوں نے تین چار ہی دن میں ایسا کاڑھا کہ وہ تو جس نے دیکھا وہی تعریف کرنے لگا۔ اب تو یہ کیفیت ہوئی کہ چاروں طرف سے لوگ آنے لگے اور ہماری کڑھائی کی دُور دُور خبر پہنچ گئی امرو نے خرچ لینے سے انکار کر دیا تو ہم نے یہ ترکیب کی کہ اس کا کپڑا مفت کاڑھ دیتے تھے اور وہ اس کو بیچ کر لاتا تو دام نہ لیتے اس طرح اس کا خرچ بھی پورا ہوتا اور ہمارا بھی۔

اب ہماری گذران خوب ہونے لگی۔ معلوم ہوا کہ شہر یہاں سے بیس اکیس کوس ہے اور امن چین بھی ہو گئی ہے مگر دل کچھ ایسے مر گئے تھے کہ جانے کو جی نہ چاہتا تھا۔ دم دم کی خبریں آتے جاتوں سے معلوم ہوتی رہتی تھیں جس کو پوچھا یہی پتہ چلا کہ پھانسی ہو گئی یا بھاگ گیا۔ چچا حشمت میں جان پڑی تھی کئی آدمیوں سے کہا کہ ان کی خبر لا دو۔ مگر کسی کو گھر ہی نہیں ملا آخر ایک دن نھے دولہا ہی دل کڑا کر کے پہونچے اِکّوں کی گاڑیاں شہر جا رہی تھیں اور ان کا چودھری امرو کا پھوپا تھا وہ بھی ساتھ ہو لیا اور دو بجے سے یہ لوگ روانہ ہو گئے کہ نو دس بجے تک ڈنڈھی پر پہنچ جائیں گے اور سویرے ہی سویرے بیچ کھوچ بارہ ایک بجے چل کھڑے ہوں گے رات کو کہیں گیارہ بجے گاڑیاں لوٹیں تو نھے دولہا نے کہا کہ شہر تو آدھے

سے زیادہ کھد گیا۔ گھروں کا پتہ ہے نہ گھر والوں کا۔ چچا حشمت کا گھر تو باقی ہے مگر اُن کا پتہ نہیں۔ برابر میں ایک روٹی والا رہتا ہے اس سے اتنا معلوم ہوا کہ بال بچوں کو لے کر کہیں نکل گئے اب تک کوئی خبر نہیں کہ جیتے ہیں یا مر گئے ہاں ایک مخبر نے یہ بھی کہا کہ ان کے چھوٹے لڑکے کو تو پھانسی ہو گئی۔ جنو تو میری گودیوں کا کھیلا ہوا تھا۔ سنتے ہی جان نکل گئی روتے روتے ہچکی بندھ گئی۔ شہر جانے کا اول تو ارادہ ہی نہ تھا اور اگر تھوڑا بہت خیال کبھی بھولے بسرے آ بھی جاتا تھا تو اب بالکل ہی نفرت ہو گئی۔

برجیس دولہن اپنی داستان یہاں تک پہنچا کر پان کھانے کے واسطے اٹھیں تو گوہری تمبو میں بیگم کی وہی صدا پھر گونجی۔

"لپٹیں آ رہی ہیں موتیا کی"

اتنا کہہ کر بیگم نے جھیوں سے کپڑے اٹھائے تو تمبو خوشبو سے مہک اٹھا گوہر آرا بیگم نے کہا پہلے درود پڑھو اور پھر حضور کی مغفرت کے واسطے دعا کرو۔

اس وقت تین بج چکے تھے اور چاند خواتین مغلیہ کی بربادی ناموس پر ماتم کرتا ہوا بساط فلک سے لپٹ لپٹ کر وداع ہو رہا تھا میری آنکھوں نے اس کے بعد بڑی بڑی مجلسیں دیکھیں اور کانوں نے اچھی اچھی تقریریں سنیں مگر برجیس دولہن کا نالۂ سرزمین شاہجہاں آباد اس درد سے گونجا کہ اس کی کسک اب تک دل میں موجود ہے زندگی کی بہت سی بہاریں دیکھیں اور ماتم کئے مگر بیلہ میں جو میلہ دیکھ لیا تھا اب وہ سماں نظر نہ آئے گا۔ بدبخت شہزادیوں کی صدا سفید ڈاڑھیوں پر آنسوؤں کے موتی لٹا اور خانماں برباد بیبیوں کی داستان جوانوں کے کلیجے توڑ

رہی تھی۔ جس طرح موسم برسات میں پوروا ہوا کے ساتھ جسم کی پرانی چوٹیں ابھرتی ہیں اسی طرح جب کبھی بیلے میں جانے کا اتفاق ہوتا ہے تو وہ رات اور وہ صورتیں آنکھ کے سامنے آجاتی ہیں مگر بیلے والے خوش نصیب تھے کہ اپنے ساتھ بیلے کو بھی لے گئے اور آج اس کے گھنے دار درختوں اور جھاڑیوں کا جن کے دامن شہر آبادی کی تاریخ سے مالا مال تھے ایک ذرہ بھی موجود نہیں جو صحبت شب کا نشان دے اور حق یہ ہے کہ مکین و مکان سب فنا ہو گئے اور مجھے تو اب کوئی صورت بھی ایسی نظر نہیں آتی جس نے اس بزم کی شمع جھلملاتی دیکھی ہو۔

بیلے میں میلے کی آخری یادگار پھول والی بیگم اس کے بعد بیس سال کے قریب زندہ رہی۔ کمر جھک گئی تھی اور دانت بھی ٹوٹ چکے تھے۔ مگر بڑیوں کے کٹرہ میں جن دو کانوں کے پاس شاید اب ڈاک خانہ ہے اس کی آواز نے رات کے سناٹے میں مدتوں کہرام مچایا ہے میں اور میرے عزیز دوست شہزادہ مرزا محمد اشرف صاحب بی اے گورگانی بیگم کے مرض الموت میں عیادت کو گئے تھے کہ شاہان مغلیہ کی اس جیتی جاگتی تصویر کو آخری مرتبہ جی بھر کر دیکھ لیں۔ اس رات کے ذکر پر بیگم کے آنسو نکل پڑے آج بیگم اور مرزا دونوں شاہجہان آباد سے کیا اس دنیا سے رخصت ہو چکے مگر بیگم کی زندگی اب بھی جب بیلے میں جاتا ہوں وہ اجڑا ہوا سماں سامنے لا کھڑا کرتی ہے۔

پھولوں کی مہک نے اور بیگم کی لہکار نے کہ
"پٹیں آ رہی ہیں موتیا کی"

برجبیس دلہن کی بپتا کو فراموش کرا دیا۔ جب دعا ہو چکی تو چار بج رہے تھے۔ بادشاہ کا نام آتے ہی کوئی آنکھ ایسی نہ تھی جس سے آنسو نہ نکل رہے ہوں۔ برجبیس دلہن کی داستان ابھی ختم نہ ہوئی تھی اور خیال تھا کہ وہ نماز سے پہلے اپنی مصیبت سنا دیں گی لیکن

گوہر آرا بیگم نے کہا کہ میں جانتی ہوں کہ دلی والوں کو یہ راتیں پھر نصیب نہ ہونگی اور ان کا جی نہ چاہتا ہوگا کہ جلسہ ختم ہو مگر زیادہ سے زیادہ گھنٹہ بھر بات اور سمجھ لو۔ برجبیس دلہن تھک گئی ہیں اس لئے باقی کتھا رات کو۔

ممن صاحب کے احاطہ والے خلیفہ رحیم بخش تیراک جن کے بیٹے شبّی اب بھی زندہ ہیں اسی صبح کو جمنا میں ڈوب کر مرے ان کی بابت سنا ہے کہ وہ پالتی لگا کر اس پار سے اس پار حقہ پیتے نکل جاتے تھے ان کے ڈوبنے کی بہت سی روایتیں مشہور ہیں مگر صحیح یہ ہے کہ مگر نے انکا خاتمہ کیا بسنت کا اصلی میلہ تو ایک دن کا تھا دلی والوں نے اپنی دھینگا دھینگی دن بڑھا لئے تھے خلیفہ جی کی موت سے میلہ کچھ اکھڑا سا گیا۔ قاضی کے حوض سے لیکر ادھر نیتے بانس تک اور ادھر پھاٹک نہر اور موری دروازہ تک بھوری والوں نے دو کانیں نہیں کھولیں۔ ہاں خوچی والے چرخی والے اور شیخو والے میلہ ملنگتے ہے مگر آج روز کی سی گہما گہمی نہ تھی لیکن شام ہوتے ہی خلقت ٹوٹ پڑی گوہری تمبو اور میدان آدمیوں سے پٹ گیا۔

شہزادیاں قلعہ میں تو پہلے ہی پردہ نہ کرتی تھیں اب غدر نے پردے کا بالکل ہی صفایا کر دیا تھا عشاء کی نماز نگمبود دروازے ہوئی اور دس بجے ہونگے کہ بیگم

پھوپھی جان کو بہتیرا ڈھونڈھا۔ مگر خاک پتہ نہ چلا۔ ہاں اتنا ضرور معلوم ہوا کہ غدر میں دونوں میاں بیوی دلی جا کر مر گئے۔ اب اس کے سوا کیا ہو سکتا تھا کہ یہاں بھی سرائے میں گئے۔ بھٹیاری کمبخت ایسی خر دماغ کہ خدا کی پناہ بات کرو تو کاٹنے کو دوڑے ہر وقت تو یہ کہتی تھی کہ تم مخبر ہو ہم کو وہاں ٹھیرے چوتھا روز تھا کہ ننھے دولہا بخار میں لوٹتو ہو گئے میرٹھ میں خاصی امی جمی ہو گئی تھی۔ حکیم کا نسخہ تھا اس نے کہا موتی جھولے آگے پانواں دن تھا کہ ان کی حالت بگڑنی شروع ہو گئی۔ گھس لگانے کو آدمی نہیں آخر میں ہی باہر نکلی اور برقعہ اوڑھ حکیم کے ہاں پہنچی انہوں نے انسانیت برتی کہ میرے ساتھ آ گئے اور نبض دیکھ کر نسخہ بدلا مجھ سے تو یہ کہا کہ گھبراؤ نہیں اللہ مالک ہے اور بھٹیاری سے کہدیا کہ یہ مر جائیں گے ہوشیار رہنا۔ وہ نامراد آئے تو جائے کہاں نتھنے پھلا سامنے آ کھڑی ہوئی کہ کوٹھڑی ابھی خالی کرو۔ بیمار کی حالت بگڑ رہی تھی میں نے بہتیرا سمجھایا منت خوشامد کی لیکن وہ کمبخت کیا ماننے والی تھی اپنے دو بھٹیاروں کو اور لے آئی کہ ہماری سرا بدنام ہو گی تو جو اس میں سے مردہ نکلے میں روتی ہوئی سڑک پر جا بیٹھی دو تین مرد میرے ساتھ آئے اور ان بے ایمانوں کو ڈانٹا۔ بیمار کو دیکھا تو سانس اکھڑ رہا تھا وہ اتنے بھلے مانس تھے کہ وہیں بیٹھ گئے۔ شہد لائے یسین سنائی رات کے تین بجے ہوں گے کہ ننھے دولہا رخصت ہوئے۔

میرٹھ کے یہ تینوں آدمی فرشتے تھے جن کو خدا نے بھیجا تھا میرے پاس ایک پھوٹی کوڑی نہ تھی انہوں نے ہی اول منزل کیا اور ہمارا کرایہ بھی ادا کیا میں ٹھیک دوپہر کو باہر نکلی۔ تین پیسے میرے پاس تھے کہاں جاتی اور کہاں

کی آواز گونجی۔ "لپٹیں آ رہی ہیں موتیا کی"

ٹھیک تعداد تو یاد نہیں مگر پھولوں کے چھبے پندرہ بیس سے کم نہ ہونگے وہ آج کل دن تھے کہ ہر چیز پر آگ پڑ رہی ہے پیسے پیسے کی ڈھیریاں الگ لگی ہوئی تھیں دو گھنٹہ میں دو کے سوا سب چھبے خالی ہو گئے تو پھر بیگم کی آواز گونجی۔

"لپٹیں آ رہی ہیں موتیا کی"

گوہر آرا بیگم نے مسکرا کر کہا بس بیگم اب بیان شروع کرو اور یہ تبرک رکھ لو اتنا سنتے ہی بیگم نے چھبے ڈھانک دیئے۔ برجیس دلہن آ کر بیٹھیں اور کہا۔

"میں کل تو یہ کہہ چکی ہوں کہ حسنو میاں کی پھانسی کی خبر سے میرا دل زندگی سے بیزار ہو گیا۔ اس بچہ کو میں نے اپنے ہاتھ سے پالا تھا بہتیرا دل بہلاتی تھی مگر دل کسی طرح ٹھیک نہ ہوتا تھا آخر میں نے ننھے دولہا سے کہا کہ میرا جی یہاں سے گھبراتا ہے اب یا تو شہر چلو یا جدھر منہ اٹھے وہ راضی ہو گئے اور ہم نے جانے کا ارادہ کیا تو امرداد اور اس کا سارا گھر منتیں کرنے لگا۔ مگر میرا دل اکھڑ گیا تھا۔ آخر یہ صلاح ٹھیری کہ میرٹھ یہاں سے تیس کوس ہے وہاں چلیں میری ایک رشتہ کی پھوپی وہاں تھیں اور مجھ سے محبت بھی بہت کرتی تھیں ٹھیرنے کا ٹھکانہ موجود تھا چالیس پچاس روپے بھی پاس ہو گئے تھے گاؤں والوں کو روتا چھوڑ آخر میں ننھے دولہا میرٹھ روانہ ہو گئے گاڑی والا تھا تو بڈھا مگر مزاج کا بہت ہی کڑوا۔ ہم صبح ہی چلے تھے شام کو بیگم آباد میں قیام کیا۔ ایک ٹوٹی ہوئی سرا میں ٹھیرے رات گذری کھانا ہمارے ساتھ تھا۔ صبح اٹھ کر آگے بڑھے اور چار بجے میرٹھ پہنچ گئے۔

پڑتی ایک پیسے کے چنے چبائے اور رات کو دار دروازہ کی سڑک پر بیٹھ کر صبح کر دی۔ یہ دن اور یہ رات بھی یوں ہی گذری اور وہ دو پیسے بھی ختم ہو گئے۔ مجھے دو وقت کا فاقہ تھا۔ مگر بھیک مانگنے کو جی نہ چاہتا تھا۔ ایک پختہ حویلی دکھائی دی بسم اللہ کہہ کر اندر گھسی اور گھر والی بی بی سے کہا کہ آپ کو ماما کی ضرورت ہے؟ وہ تو ایسی نکتوڑی تھی کہ جواب بھی نہ دیا۔ ہاں میاں نے کہا کہ "اندر آؤ بی کون ہو کہاں کی رہنے والی ہو۔ کیا تنخواہ لوگی؟" میں نے کہا جو آپ دینگے۔ اس پر میاں بیوی میں کچھ صلاح ہوئی اور مجھ کو ایک روپیہ مہینہ کھانے پر نوکر رکھ لیا۔

میاں جس قدر شریف تھے بیوی اسی قدر کمینی۔ کمبخت کی سمجھ میں کوئی کام ہی نہ آتا تھا۔ بڑی مشکل سے میں نے تین چار مہینے کاٹے۔ ایک دن مرچوں پر جھگڑا ہوا کہنے لگی تم نے مرچیں زیادہ کر دیں۔ میں نے کہا نیکبخت! نوکری لے کر رکھ ہاتھ بیچے ہیں ذات نہیں بیچی! بس اتنا کہہ برقع اوڑھ باہر نکل۔ پیچھے پیچھے میاں آئے بہتیری منت خوشامد کی۔ مگر میرا دل اُکھڑ گیا تھا۔ میں نہ ٹھہری۔ دو روپے میرے پاس تھے۔ ایک روپیہ چڑھا ہوا تھا وہ نہ ملا نو آنہ اونٹ گاڑی کا کرایہ دے کر گھر آئی۔

اب زندگی کا مزہ نہیں ہے۔ ہر نماز کے بعد دعا کرتی ہوں کہ جہاں سب گئے خدا مجھے بھی وہیں پہونچا دے اور میرا پردہ ڈھانک لے۔"

میری وہ راتیں جو بیلے میں بسر ہوئیں زندگی کی بہترین راتیں تھیں۔ شہزادیاں بھی قلعے اور شاہ کو اتنا نہ روئی ہونگی جتنا میں دلی اور دلی والوں کو رو رہا ہوں۔ عمر گذشتہ کی یاد بڑھاپے میں سوہان روح ہوتی ہے۔ کلیجہ

پر سانپ لوٹ جاتا ہے۔ اور جب جوانی کی بہاریں سامنے آتی ہیں تو گذرے ہوئے دن اور بیتی ہوئی راتیں تیر ہو کر دل میں گھستی ہیں۔ مگر جس شخص کی جوانی بھی بڑھاپے سے بدتر ہو جو پیدا ہوا تو روتا ہوا اور زندہ رہا تو روتا ہوا قہقہے بھی آنسوؤں میں شرابور ہوں۔ اور جس کی مسرت بھی افکار سے لبریز، وہ روئیگا تو اپنے آنسوؤں پر اور بلبلائے گا تو اپنے آلام پر۔ زندگی کا وہ فانی دور جو جوانی کے نام سے تعبیر ہوتا ہے۔ مجھے بھی گنتا ہے۔ فطرت انسانی کے اس اصول سے میں بھی مستثنیٰ نہیں ہوں۔ مگر جوانی جب یاد آتی ہے۔ اس کے پہلو میں ہمیشہ بچھڑی ہوئی صورتیں دیکھی ہیں۔ دلی اور دلی والے بیلے کے میلے میں جن گھروں کو رو رہے تھے وہ تو خیر رخصت ہو ہی چکے تھے ستم پر ستم یہ ہے کہ وہ رونے والے بھی نہ رہے اور میری آنکھوں کے سامنے ایک ایک کر کے سب اُٹھ گئے۔ میں ان راتوں میں رونے والوں کا ہمنوا تھا آج تنہا ہوں، اور کوئی اتنا بھی نہیں جو میرے آنسوؤں کی ہاں میں ہاں ملا دے۔

جی تو یہی چاہتا ہے کہ پھول والی بیگم کی الکار اور پکار پر جو کانوں میں گونج رہی اور دماغ میں بس رہی ہے جب تک زندہ ہوں عقیدت کے پھول چڑھاتا رہوں۔ مگر سننے والے اکتا جائیں گے اس لئے چھوڑ چلتا ہوں دراصل مقصد پر رجوع کرتا ہوں۔

برجیس ڈلہن کی داستان ختم ہو چکی تو پھر وہی صدا گونجی "لپٹیں آ رہی ہیں موتیا کی"

خلقت پھر لوٹی اور جو ڈھیریاں رہ گئی تھیں وہ ختم ہو گئیں تو گوہر آرا بیگم نے کہا۔

"بہرحال" دلہن کی داستان ادھوری رہ گئی تھی اس لئے پہلے وہ ختم ہو گئی۔ بادشاہ کی سلامتی کی دعا ہو چکی۔ مگر دلی والوں بادشاہ کہاں! بلبل اڑ گئی خالی پنجرے کو بیٹھے رو رہے، روح نکل گئی جسم باقی ہے۔ تم نے صاحب عالم کا بگڑا ہوا وقت دیکھا جن باتوں کو رو رہی ہوں یہ زوال کے دن تھے۔ ہم خوش نصیب ہیں کہ ہم نے اچھے رنگ دیکھ لئے۔ قلعہ میں مینا بازار کی سیر ایسی دیکھی کہ اب تم کو نظر نہ آئے گی۔

چھتیسے کال کی وجہ یہ ہے جب آٹا ڈیڑھ من سے چھتیس سیر کا ہو گیا۔ مخلوق چیخ اٹھی اور کہہ دیا کال پڑ گیا۔ حضور نے حکم دیا کہ مینا بازار کی ساری آمدنی کنگلوں کو دیدو۔ بات فقط اتنی تھی کہ ساون کے تیرہ دن نکل گئے اور مینہ نہ برسا۔ آدھا اساڑھ خاصا برسا تھا۔ کرنیوں نے تیرہ ہی دن کو تیرہ برس بنا کر گھبرا دیا۔ بادشاہ اور رعیت کے راز و نیاز میں چھتیس سیر کا آٹا ہوتے ہی رعیت نے چھتیسا کال اس سال کا نام رکھ دیا۔ اور حضور نے مینا بازار کی پوری آمدنی کنگلوں کی نذر کر دی۔ کوئی انگریز ڈیم صاحب بھی آئے ہوئے تھے انہوں نے جگہ جگہ کی تصویریں اتار لیں۔ مینا بازار کی تصویر مجھے بھی صبح کو کوٹھڑی میں پڑی مل گئی۔ سنتی ہوں کہ اب ولایت میں اس کی بڑی قدر ہو رہی ہے۔

تصویر کا نام سنتے ہی لوگ گھرنے شروع ہو گئے۔ لیکن جب گھنٹہ بھر سے زیادہ ہو گیا تو گوہر آرا بیگم نے ایک ہاتھ میں شمع لی اور دوسرے ہاتھ میں تصویر لیکر کہا بیچے دور سے نیت بھر کر دیکھئے یہ مینا بازار کی تصویر ہے آگے چلکر مینا بازار تو کیا تصویر بھی دیکھنی نصیب نہ ہو گی یہ وہ تصویر ہے کہ حضور کی تنجلی بہو افروز دلہن تاج رکھے موتیوں کے ہار خرید رہی ہیں اور عورتیں انکو مال دکھا کر منہ مانگے دام لے رہی ہیں۔

جب سب لوگ تصویر دیکھ چکے تو گوہر آرا بیگم نے کہا: اب ہماری ننھی حیدری اپنی داستان سنائیں گی۔ تیرہ چودہ برس کی عمر میں خدا جانے کہاں کہاں خاک چھان لی! بی ننھی حیدری مسکرا رہی تھیں کہ پھر آواز گونجی

لپٹیں آ رہی ہیں موتیا کی

گوہر آرا بیگم نے کہا نئے ہے بیگم بس کرو دیکھو تو آدھی سے زیادہ رات باتوں ہی باتوں میں گزر گئی خلقت بیکل ہو رہی ہے "بیگم نے قہقہہ مارا اور کہا وہ آپا پھول تو ختم ہو گئے اب رکھا ہی کیا ہے میں تو ہنس رہی ہوں" اس پر سب ہنس پڑے اور ننھی حیدری نے اپنی بپتی اس طرح سنائی۔

ننھی حیدری کی سرگذشت

"میرے گھر میں سوائے ابامیاں کے۔ اللہ کا نام تھا۔ باپ تھے تو وہ اور ماں تھے تو وہ بہن بھائی کوئی ہوا ہی نہیں۔ نانی دادی کی صورت بھی نہ دیکھی کسی بڑی عزدوت کو بھی گھر سے نکلتے تو اوپر کی کنڈی لگا کر جاتے جب غدر کا پہاڑ گرا تو وہ بیچارے آس نہ پاس لیکن کالے مجز نے میرے بے قصور ابامیاں کو پکڑوا دیا اور اتنی سی بات پر کہ اسکے لڑکے سے انہوں نے میری شادی کیوں نہ کر دی مجھ پوچھو گندی کیدنکر کہو کہوں اور کس سے کہوں دو دن اور دو رات جانماز پر بیٹھی تسبیح پڑھتی رہی۔ تیسرے دن صبح ہی اس نے آکر کہا تیرے باپ کو پھانسی ہو گئی تو میری بھتیجی ہے۔ اب تیرا نکاح میں اپنے لڑکے سے کر دونگا۔ اب کوئی اللہ کا بندہ بتائے کہ میں کیا کرتی۔ ابامیاں کی پھانسی کالے بے ایمان کی بدمعاشی، نکاح کا ذکر کس کس چیز کو روتی۔ یہ

تیسرا دن بھی فاقے سے گذرا۔ تیسرے پہر کو اس نے آکر کہا آج مغرب عشا کے درمیان تیرا نکاح ہے۔ یہ سنتے ہی جان نکل گئی۔ شام پکڑنی مصیبت تھی ادھر جھٹ پٹا ہوا ادھر میں نے ابا میاں کی اچکن پہن صافہ باندھا اور لکڑی ہاتھ میں لے باہر نکل گئی۔ ساری رات منہ اٹھائے چلی گئی پلٹ کر نہ دیکھا صبح مجھے جنگل میں ہوئی مگر یہ معلوم ہوتا تھا کہ کالا پیچھے آرہا ہے پھر چلی شاید دس بجے ہونگے۔ ایک گاؤں کے چوراہے پر مٹی کی چینی میں خنکہ اور دہی رکھا تھا۔ ڈر ور سب بھول گئی۔ بڑے بڑے نوالے مارتے گے بڑھی۔ پیالا پر پانی پیا اور چلدی۔

مجھے نہ تو یہ خبر تھی کہ دن کہاں ہے نہ یہ کہ رات کدھر آئی اور گئی یہ بھی نہیں بتا سکتی کہ کتنے دن اور کتنی راتیں اس طرح گذریں جس گاؤں میں پہنچی بھیک سے پیٹ بھر لیتی اور آگے بڑھ جاتی۔ مہینہ ڈیڑھ مہینہ اسی طرح گذرا ہوگا۔ آخر تھک کر چور ہو گئی۔ پاؤں لہو لہان ہوئے۔ اور جب ایک دن دوپہر کے وقت بخار شدت سے چڑھا تو ایک درخت کے نیچے ٹھٹکی۔ مگر کالے کمبخت کا ایسا ڈر سوار تھا کہ بخار میں بھی اسی مردود کی صورت سامنے آتی دکھائی دیتی تھی۔ سامنے ایک پہاڑ تھا وہاں گئی تو اس کے نیچے ایک کھوہ میں پڑ گئی۔ اب مجھے معلوم نہیں کہ میں کب تک وہاں سوئی۔ گھنٹہ بھر یا دن بھر۔ آنکھ کھلی تو بخار اتر چکا تھا۔ مگر کمزوری کا یہ حال تھا کہ بات نہ کی جاتی تھی۔ چاروں طرف دیکھا آدمی نہ آدم زاد۔ پیاس کے مارے کانٹے زبان پر پڑ رہے تھے۔ مگر پانی کا کوسوں پتہ نہ تھا۔ اس جنگل بیابان میں اس سنسان پہاڑ پر ایک طرف سے کچھ گانے کی سی آواز آئی۔ اسی آواز پر چل کھڑی ہوئی تھوڑی دور جا کر کیا دیکھتی ہوں کہ ایک آبشار ہے اور پاس ہی ایک چشمہ صاف اور شفاف پانی کا لہریں لے رہا ہے

ادھر ادھر خوش رنگ پھولوں کے پودے ہیں۔ اور جس وقت ہوا ان پھولوں کو سرسراتی ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمام پہاڑ ہنس رہا ہے کیسی بہار تھی کہ سبحان اللہ میں نے پانی پیا تو کتنا شیریں کہ دل باغ باغ ہو گیا۔ پہاڑی درخت میووں سے لدے کھڑے تھے۔ بھوک کے مارے بیتاب تھی۔ خوب توڑے خوب کھائے مگر وہ باجے گانے کی آواز اب تک برابر آرہی تھی اور اب تو بالکل صاف سنائی دے رہی تھی آگے بڑھی تو دور سے ایسا معلوم ہوا کہ وہ باجے کی آواز پونگی ہے اور کوئی شخص تنہا کبھی پونگی بجاتا ہے کبھی گاتا ہے یہاں تک کہ ایک شخص دکھائی دے گیا۔ دور سے کھڑے ہو کر دیکھا کہ کہیں کالا نہ ہو۔ جب دیکھ لیا کہ ایک بڈھا سپیرا ہے تو پاس پہنچ گئی۔ سپیرا اپنی بین میں مست خود ہی جھوم رہا تھا۔ اور اس کے سامنے دو سانپ کالے بھنور پھن اٹھا اٹھا کر اس کی گود میں کھیل رہے تھے مجھ کو دیکھ کر سپیرے نے پونگی چھوڑ دی اور ایک سانپ کو ہاتھ میں پکڑ کر مجھ سے پوچھا بابا کون ہے۔ کیوں آیا ہے۔ میں ایک کونہ میں خاموش بیٹھ گئی سپیرا پرے قریب آیا۔ بڈھا پھونس تھا پلکیں تک بگلا تھیں اور تمام جسم پر جھریاں پڑی ہوئی تھیں میں نے اس سے تمام کیفیت بیان کی وہ ایسا مہربان ہوا کہ اسی وقت اپنے ہاتھ سے پھل توڑ کر کھانے کو دیئے اور کہا بیٹی یہ نیلگری پربت ہے تو شوق سے رہ میں تجھ کو اپنی بیٹی سمجھوں گا۔ اس نے مجھ سے اپنی حالت بیان کی کہ سمیر پور راجہ کا بجانجا ہے۔ ایک جوان لڑکی عمر بھر کا سرمایہ تھی جس کو مرے پندرہ بیس برس ہو گئے اس کی موت کے بعد سے گھر بار چھوڑ کر جنگلوں اور پہاڑوں میں نکل آیا اور یہاں زندگی بسر کر رہا ہے۔ مجھے اس کی زندگی پر رشک آتا تھا کہ کوئی رنج و غم اس کے پاس پھٹکنا نہ پھٹکتا تہا۔ قدرت کا دسترخوان

انواع واقسام کی نعمتیں ہر وقت اس کے واسطے حاضر تھیں۔ اور ٹھنڈے میٹھے پانی کے چشمے ہر لمحہ اس کی دعوت میں معروف تھے۔ میں بھی ہر طرح بے فکر تھی۔ وہ مجھکو بیٹی سے زیادہ چاہتا تھا۔ اس کی محبوب ومرغوب چیزیں سانپ تھے ہر وقت کھیلتا اور مگن رہتا۔

ایک روز اس نے مجھکو ایک بوٹی دکھائی کہ کیسا ہی زہریلا سانپ ہو یہ تریاق ہے۔ اگر ایک قطرہ بھی حلق سے اتر گیا تو آدمی مر نہیں سکتا کئی دن کے بعد میرا پیر اپہاڑ سے اترتا ہوا لڑھک گیا۔ اور ایسا گرا کہ ہڈی پسلی چکنا چور ہو گئی۔ اب میرا یہاں ٹھیرنا فضول تھا۔ اور میرا دل بھی اس کے بعد نہ لگا۔ میں یہ کہنا بھول گئی کہ میرے کپڑوں کی دھجیاں لگ گئی تھیں۔ ایک گیرو لچادر پیر نے مجھکو دیدی تھی وہی میرے بدن پر تھی صبح کے وقت ایک دن میں وہاں سے چل کھڑی ہوئی شام کے قریب ایک شہر میں پہونچی دلی چھوڑے کئی برس ہو گئی تھیں۔ شہر کی صورت دیکھتے ہی دل کی کیفیت اور ہو گئی اور اپنا گھر یاد آیا مگر کہاں دلی اور کہاں، ٹھنڈا سانس بھر کر سڑک پر بیٹھ گئی۔ سامنے دیکھا تو آدمیوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگے ہوئے ہیں دس جاتے ہیں بیس آتے ہیں ایک شخص نے مجھ سے کہا تمہیں سانپ کے کاٹے کا منتر بھی یاد ہے۔ میں نے پوچھا کیا معاملہ ہے تو اس نے کہا ہمارے راجکمار کو ناگ نے ڈس لیا۔ میں نے کہا کدھر ہے دیکھوں بوٹی میرے ساتھ تھی۔ میں نے اندر جاکر دیکھا تو ہائیس چوبیس برس کا لڑکا بیہوش پڑا ہے اور سینکڑوں آدمی ادہر اُدہر کھڑے افسوس کر رہے ہیں۔ اس کی ماں پچھاڑیں کھا رہی تھیں میری صورت دیکھتے ہی قدموں میں گری اور کہا مہاراج دیا کیجئے۔ میں نے بوٹی پیکر حلق میں ڈالی، خدا کی شان راجکمار نے آنکھیں کھول دیں، اب تو سارا شہر میرے قدموں میں تھا۔ راجکمار کی

ماں کو جب معلوم ہوا کہ میں لڑکی ہوں تو اس نے مجھکو اپنے ہاتھ سے نہلا دھلا کر کپڑے بدلے۔ اب راجکمار بالکل اچھا ہو گیا تھا میں نے چلنا چاہا تو وہ کہنے لگا اگر تم جاتی ہو تو مجھے بھی زندہ رہنے کی ضرورت نہیں۔ اسی سانپ کو بلا کر پھر ڈسوا دو۔ میں نے اس سے حرف بحرف تمام داستان کہہ دی۔ اور یہ بھی کہہ دیا کہ دلی کو دل ترس رہا ہے اس کے حکم کی دیر تھی۔ وہ اور اس کے نوکر چاکر ساتھ ہو لیے۔ اور ہم سب آج پانچواں روز ہے کہ یہاں پہونچے۔ راجکمار بڑا رئیس ہے۔ تھا تو ہندو مگر اب مسلمان سمجھ لو۔ نکاح کا خواستگار ہے جو تم سب کا فیصلہ ہو وہ تعمیل کروں۔

ننھی چودھری کی داستان ختم ہوئی تو رات بھی ختم کے قریب تھی گوہر آرا بیگم نے فرمایا "بیویوں آج کی رات بھی ختم ہو گئی مگر ابھی داستانیں بہت باقی ہیں آپ لوگ اکتا جائیں گے سچ پوچھو تو یہ داستانیں زبان پر نہیں تو دلوں میں اس وقت تک باقی رہیں گی جب تک شہر زندہ ہے۔ اب اس کو ختم کرنا چاہئیے۔ اصل یہ ہے کہ عمریں ختم ہو جائیں گی لیکن یہ داستانیں ختم نہ ہونگی۔ دلی والوں پر جو خدا کا قہر ٹوٹا اور مصیبت آئی وہ خدا دشمن پر بھی نہ ڈالے۔ مجھ سے اگر سچ پوچھو تو اس میں گوروں کا قصور ہے نہ فرنگیوں کا۔ سب سے پہلے تو تلنگوں نے آفت ڈھائی کہ شہر بھی لوٹا اور میموں کو بھی مارا۔ اس کے بعد مخبروں نے جن کی جھوٹی خبروں سے سینکڑوں نہیں ہزاروں بے قصور پھانسیوں پر چڑھ گئے اور گور وکفن تک نصیب نہ ہوا قیامت برپا کر دی۔ رہا صاحب عالم کا معاملہ وہ شہر کا بچہ بچہ جانتا ہے کہ ایسے بھولے بھالے ایسے سیدھے سادے بادشاہ پر بغلی گھونسوں نے وار کیا اور جس کے نمک پر پیٹ بھر رہے تھے اس کو گھر سے نکال کر اپنے گھر میں گھی کے چراغ جلائے۔

یوں تو سارا شہر ہی مصیبت کا مارا ہے۔ بس آج اور کل دو راتیں اور یہی کل تک جن جن کی کتھا ہو جائے۔ باقی اب ختم کیجئے زندگی ہو تو پھر کبھی سہی اگلے برس جب میلہ میں میلہ ہوگا تو دیکھی جائے گی۔

ہم تو پھول والی بیگم کے قائل ہیں۔ ایک اکیلی نے سارے بجز دن اور اللہ ماردوں کو ناک چنے چبوا دئے۔ دنیا شہر چھوڑ چھاڑ کر بھاگ گئی مگر یہ اسی طرح شہر میں دندناتی رہی۔ مجال نہیں جو کوئی آنکھ ملا سکتا۔ دو کوروٹی کھلا کر کھا رہی ہیں۔ آدمی ہاتھ پاؤں ہلائے تو سب کچھ ہو سکتا ہے اور اس طرح عزت آبرو سے گذر بسر ہو سکتی ہے۔

ہم شہزادیاں سچ پوچھو تو پر تینغ کہو تہ تھے قلعہ سے چھوٹے تو اڑ گرہان جاتے جنم نہ دیکھا بوریا سپنے آئی کھاٹ۔ عمر رنگ رلیوں اور ایسے مردوں میں گذری جو قید سے بدتر تھے اب جو اڑے تو بازو میں سکت نہ پاؤں میں ہمت۔ نیچے سے بلیوں نے دبوچا اوپر سے باز بہریوں نے۔ خیر اب جلسہ ختم کرو۔ زندگی بہ خیر ہے تو کل رات کو گوری پھوپی اپنی داستان سنائیں گی۔ ہاں بی پھول والی بیگم لو اذان سے پہلے ایک صدا اور لگا لو ہاں بیوی۔

"پیٹیں آ رہی ہیں موتیا کی"

بیویوں میں قہقہہ لگا۔ پھول والی بیگم بھی ہنسنے لگیں اور سب اپنے اپنے گھر رخصت ہوئے مغرب کی نماز کے بعد بھی گوہر آرا بیگم آ موجود ہوتی دس گیارہ بجے رات تک کچہریاں سی پکتی رہیں۔ آدھی کا عمل تھا کہ بیگم کی آواز گونجی۔

"لپیٹ آ رہی ہیں موتیا کی"

برچھیں دو لمس برابر ابیٹھی تھیں بیگم کی آواز جو ان کے برابر گونجی تو چونک

پڑیں اور کہنے لگیں "اے ہے خالہ ٹیکی پڑے موئی لپٹوں کو میرے تو پردے بھی پھٹ گئے" گوہر آرا بیگم نے کہا "اچھا بی خالہ جان تو جلدی جلدی چھبے خالی کر لو دیر زیادہ ہو گئی ہے خلقت ٹوٹ پڑی اور ایک آدھ ہی گھنٹہ میں پھول صاف ہو گئے تو گوہر آرا بیگم نے کہا "اب سب سے پہلے گوری پھوپی جان اپنی بیتی سنائیں گی" اتنا کہہ کر انہوں نے گوری کا ہاتھ پکڑ کر سامنے بٹھایا تو وہ ہنس کر کہنے لگیں۔"

شہزادی قمر جہاں کی بپتا

سب نے اب تک آپ بیتی سنائی مگر میں جگ بیتی سناتی ہوں اور یہ ایسی ہے کہ سننے والوں کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں گے۔ مجھکو شہر آئے دو سال سے زیادہ ہوئے۔ میں نے کسی سے کچھ نہ کہا آج سب کے سامنے بیان کرتی ہوں۔

مجھ پر تو کچھ ایسی بپتا نہیں پڑی جس کا رونا روؤں ہاں میں نے بارہ دری والی بچی کی [illegible] کی قمر جہاں کی جو مصیبت دیکھی وہ خدا دشمن کو نہ دکھائے میرے ابا اجنٹی میں میر منشی تھے کس بجز کی مجال تھی کہ ہم سے آنکھ ملا لیتا بلکہ انہوں نے بیبیوں کو پھانسی سے چھٹکارا دلوایا اور موئے نصیر اجز کو ترجنٹ صاحب سے کہہ کر بیچ بازار میں پھانسی دلوا دی۔ ان کو ایکا ایکی کانپور جانے کا حکم ہو گیا۔ پچیس تیس آدمی ساتھ تھے اور بھی دو تین کو میروں کے بال بچے تھے باقی سب مرد ہی مرد ہم شام کے لگ بھگ کانپور اترے وہاں امی جمی تو ہو چکی تھی مگر شیورا کو ڈاکو باغی اب تک قبضہ میں نہ آیا تھا اس کے

دو ڈھائی سو آدمی تھے۔ دن بھر جنگلوں میں رہتا اور رات کو جہاں جی چاہا پہونچا، مارا پیٹا اور جو ہاتھ لگا لے چلتا ہوا۔ کوئی دن ایسا نہ جاتا تھا کہ ایک آدھ ڈاکہ نہ ڈالتا ہو اور دو چار آدمی نہ مار آتا ہو۔ آکا ابا کی بہادری مشہور تھی جنٹ صاحب نے اسی لئے ان کو کانپور بھیجا۔ جو لوگ ساتھ تھے وہ اُن کے ماتحت تھے اور خوب رنگ رلیاں منا رہے تھے۔ رستے بھر انہوں نے جنگل میں منگل رکھا اور کانپور پہونچ چھاؤنی میں ڈیرے ڈال دے۔

شام ہو گئی تھی اس لئے رات تو وہیں گذری صبح کو چھوٹے بوچڑخانہ میں آکا ابا نے مکان کا انتظام کیا اور ہم دونوں ماں بیٹیاں وہاں چلی گئیں ہمارے برابر ہی دیوار بیچ رسالدار احمد نبی خاں کا مکان تھا وہ آکا ابا سے مل کر بہت خوش ہوئے اور ہماری دعوت کی۔ ہم دوسرے دن شام کو ان کے ہاں گئے۔ تو میں نے ان کی بیوی کو دیکھا بہت ہنس مکھ اور اچھے مزاج کی بی بی تھیں مگر میں یہ دیکھ کر حیران تھی کہ جو لونڈی اُن کے ہاں کام کاج کر رہی تھی وہ مجھ سے اپنا منہ چھپائے لیتی تھی۔ میں نے گھر والی بیوی سے تو پوچھنا مناسب نہ سمجھا مگر اس تاک میں رہی کہ کسی طرح چھوکری دیکھ لوں جب ہم کھانے کے واسطے ہاتھ دھونے اُٹھی تو چھوکری کا گھونگھٹ الٹ دیا دیکھتی ہوں تو قمر جہاں اوپر کی سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا اگر وہی مجھے نہ پکڑتی تو میں گر پڑتی۔ اس نے سنبھالا اور اشارے سے کہا "خبردار بولنا مت" میں نے اماں جان سے ذکر نہ کیا مگر کھانا کیا خاک کھایا جاتا برائے نام دو چار نوالے کھا اُٹھ کھڑی ہوئی۔ قمر جہاں کا نام اس گھر میں آکر چینی ہو گیا تھا چلتے وقت میں نے رسالدارنی سے کہا اگر آپ اجازت دیں تو آپ کی چینی کو ساتھ لے جاؤں پرایا محلہ اور اکیلا مکان ہے آکا ابا اب چھاؤنی چلے جائیں گے"۔

رسالدارنی نے کہا "بیٹی شوق سے لے جاؤ" میں باغ باغ ہو گئی اور قمر کو لے گھر آئی۔ اماں جان کو معلوم ہوا کہ یہ قمر ہے تو گلے سے لگا کر اس قدر روئیں کہ ہچکی بندھ گئی میں نے اسی وقت اسکو اپنے کپڑے دئے نہلوایا اور کہدیا کہ بس لونڈی گیری ہو چکی اب کسی کی مجال نہیں کہ تم پر حکومت کر سکے تم بتاؤ تو سہی یہاں کیونکر آ گئیں تو یہ سُن کر بہت روئی جب میں نے زیادہ کہا تو کہنے لگی "بوا کیا بتاؤں تقدیر کا لکھا بھگت رہی ہوں اور دیکھئے کیا کیا لکھا ہے۔ لو سنو کیا بیتی۔

اماں جان تو تھیں نہیں ابا میاں کو جب پھانسی ہو گئی تو گھر میں مٹھی بھر آٹا بھی نہ تھا۔ دو راتیں تو میں نے جوں توں گزاریں مگر تیسرے دن دم آنکھوں میں آ گیا اور پانی کی بھی بوند نہ رہی تو رضائی اوڑھ باہر نکلی۔ بھوک اور پیاس کے مارے جان نکل رہی تھی ایک کرتہ یا پاجامہ کی بقچی بغل میں تھی چاروں طرف بھیک مانگی مگر خدا گواہ ہے جو کسی نے آنکھ اُٹھا کر بھی دیکھا ہو۔ ہاں پیاؤ پر پانی تو خوب ڈگڈگا کر پیا آگے بڑھی تو سارا قلعہ جمعہ مسجد کے تلے جمع تھا وہاں پہونچی تو سب رشتہ دار اور ملنے جلنے والے مگر کچھ ایسی نفسی نفسی پڑ رہی تھی کہ کسی کو کسی کا ہوش نہ تھا معلوم یہ ہوا کہ چنوں کی گاڑی گیارہ بجے آتی ہے اور سب کو مٹھی مٹھی بھر ملتے ہیں بی کیا بتاؤں کہ کیونکر گذری مجھ میں تو چلنے کی سکت نہ تھی زمین پر بیٹھ گئی اور آنکھیں بند کر لیں۔ گاڑی آئی تو خدا کی پناہ ایک پر ایک گر رہا تھا دھکا اور مُکا۔ لات اور گھونسہ۔ مگر پیٹ بری بلا ہے پیٹتی کٹتی پہونچی اور مٹھی بھر چنے جو اسوقت پلاؤ سے زیادہ تھے وہ ہی پھنکوں میں ختم کر لئے۔ چاروں طرف چیل کی طرح منڈلائی لیکن ایک دانہ نصیب نہ ہوا۔

جب رات ہو گئی تو ایک آدمی جس کے پیچھے پیچھے دو نوکر تھے روٹیاں بانٹتا آیا اُس نے مجھکو بھی ایک روٹی دی میں نے پانچویں روز روٹی کی صورت دیکھی تھی امرت ہو گئی۔ کھا کر پانی پیا۔ کئی وقت کے بعد جو پیٹ بھرا تو ایسی نیند آئی کہ کچھ ہوش نہ رہا دہیں سر رکھ کر میں لیٹ گئی۔ آنکھ کھلی تو خاصا اُجالا تھا اس طرح تین چار دن گذرے۔ شام کے وقت ایک دن تین فوجی آدمی آئے ان میں سکھ بھی تھے اور مسلمان بھی۔ مسلمان نے میری طرف دیکھا اور کہا ہو چل ہمارے ساتھ آرام دیں گے۔ میں ساتھ ہو لی۔ اس نے اپنے گھر لا کر ایسا پٹخا کہ آج تک نہ اُبھری۔ یہ وہی رسالدار ہیں اور یہ رسالدارنی ان کی بیوی ہیں کوئی آٹھ دس روز تو میں وہاں رہی پھر یہ لوگ یہاں چلے آئے۔ اب چا ہے لونڈی باندی کہو یا ماما اصیل۔ نماز کے وقت کی اُٹھی ایک ٹانگ سے پھرتی ہوں۔ جب کہیں جا کر پیٹ بھرتا ہے۔ بیوی تو خیر کچھ رحم بھی کر لیتی ہے مگر رسالدار تو حقہ کو دم بھر دیر ہو جائے پان لگے تو چھوٹتے ہی کوڑے سے بات کرتے ہیں کوئی دن ایسا نہیں جاتا کہ کھال نہ اُدھڑے دیکھو سارا بدن نیلا ہو رہا ہے۔"

اتنا کہہ کر اُس نے کرتا اُٹھا پیٹھ دکھائی تو اماں اور میں دہاڑوں رونے لگے اسکا جسم چوڑی تہا خدا خدا کر کے صبح ہوئی تو اماں جان نے آ کا ابا کو ساری کیفیت سُنائی انہوں نے قمر کے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا "بیٹی تم گھبراؤ نہیں اپنے گھر آ گئی ہو اب رسالدار کے ہاں نہ جانے دونگا" میں یہ دیکھ رہی تھی کہ خوش ہونے کے بدلے قمر کچھ ڈری سی رہی تھی اسکا دل کچھ ایسا مر گیا تھا کہ ہنسی نام کو نہ آ رہی تھی۔ آکا آبا نے رسالدار سے کہا تو وہ بہت پھیلے اور کہنے لگے کہ "ہم نے آپ کی اچھی دعوت کی کہ اپنا آدمی ہی ہاتھ سے کھویا آپ اسکو بیجا

کہاں سکتے ہیں اسکا نکاح تو میرے نوکر بنو سے ہو چکا ہے" آکا ابا کو بھی غصہ آ گیا اور اُنہوں نے کہا آپ کو معلوم بھی ہے یہ کون ہے میری بیوی کی بھانجی ہے۔ مرد خدا مسلمان ہو تمہارے آگے بھی بیٹی بھانجیاں ہیں۔ سدا دور ایک نہیں رہتا خدا معلوم کل کیا ہو۔ اس کے قہر سے ڈرو" رسالدار نے حیل حجت تو بہت کی مگر آکا ابا نے ایک نہ سنی اور بوچڑ خانہ کا رکان چھوڑ قمر کو ساتھ لے چھاؤنی میں آ گئے۔

جب ڈاکو پکڑ لیا گیا اور اس کے ساتھی بھی پھانسی پر لٹک گئے تو آکا آبا دلی لگے یہاں آئے شاید ساتواں مہینہ تھا کہ قمر کو بخار چڑھا جب سے گئے دن کی بیمار ہے بخار چڑھتا ہے پھر اُتر جاتا ہے پھر چڑھتا ہے کسی طرح پیچھا نہیں چھوڑتا اب قمر ہڈیوں کی مالا ہے۔ دبلی پتلی نازک مزاج لڑکی تھی رسالدار ظالم کے کوڑوں نے زندہ درگور کر دیا اب کوئی دن کی مہمان ہے یہاں تک کو تڑپ رہی تھی مگر ایک قدم بھی نہیں چلا جاتا۔ خدا اس بدنصیب کا انجام بخیر کرے۔

گوری کی داستان ختم ہوئی تو رات فضا آسمانی میں کروٹ بدل رہی تھی طبیعتیں گوری کے بیان سے متاثر ہو چکی تہیں اس پر چند لمحہ کی خاموشی اور وداع شب کا دردانگیز آسمان دلوں کی کیفیت عجیب تھی مشکل سے گھڑی بھر اس طرح گذری ہو گی کہ جبیں دلہن نے روتے ہوئے کہا۔

"بس دلی والوں ختم کر دو دو گے تو ہمیشہ مگر اب طبیعتیں سنبھالو اور اپنے اپنے دھندے دیکھو جو ہونا تھا وہ ہو گیا!!"

برجیس دُلہن دوسروں کو سمجھا رہی تھیں مگر انکی اپنی حالت یہ تھی کہ ہچکی بندھی ہوئی تھی آخر گوہر آرا بیگم نے انکو پانی پلا کر خاموش کیا اور فرمایا۔

"ہم ختم ہو جائیں گے مگر ہماری داستانیں ختم نہ ہونگی، جبتک دنیا زندہ ہے اسوقت تک ہمارا تذکرہ زندہ رہیگا اسوقت تک ہمارے رونے والے بھی نہ رہیں گے۔ ہم پر جو قیامت ٹوٹی ہے یہ ایسی نہیں ہے کہ آدمی بھول جائے ہماری بپتا دوسروں کے دل دہلائے گی۔ گورے یا کالے جو کچھ بھی تھے ایسی آفت ڈھائی ہے کہ دلی اور دلی والے عمر بھر روئیں گے مخبروں نے جو ستم توڑا ہے اور بیگناہوں کو پھانسیاں دلوا کر جیسے جیسے گھر اُجڑوائے ہیں اسکا بدلہ ہم اپنی آنکھ سے دیکھیں گے معصوموں کا خون اوپر ہی اُوپر نہ جائے گا۔ ان چاروں نامراد مخبروں میں سے ایک کالے کی کٹیا تو کٹ چکی دوسرا جوتو پاؤں پیٹ رہا ہے باقی دونوں کا حشر بھی دیکھ لینا۔ اب میلہ اور داستانیں ختم، زندگی ہے تو اگلے برس پھر دیکھ لیں گے۔"

برجیس دو بین پانی پیکر کچھ سنبھل گئی تھیں وہ، کچھ کہنا چاہتی تھیں کہ ایک دفعہ اور

"لپٹیں آ رہی ہیں موتیا کی"

آواز گونجی اور پھول والی بیگم نے کہا: "مرنے والے ایسے بدنصیب تھے کہ ان شہیدوں کو گور و کفن کچھ بھی نصیب نہ ہوا پھول اور چالیسواں تو الگ ہے ڈھونڈھیں بھی تو پتہ نہیں کہ کس کی قبر کہاں ہے یہ جنتی بندے ایسے بے وارثے تو نہ تھے کہ انکی روحیں ترستی پھرتی سدباریں اور دو روٹیاں تک نصیب نہ ہوں میں چاہتی ہوں کہ غدر کے شہیدوں کا کل چالیسواں ہو جائے بوا گوہر آرا بیگم اگر منظور کریں تو اس سے بہتر موقعہ کونسا ہوگا سارا شہر جمع ہے لیکن اس خالی خولی رونے دھونے سے کیا حاصل جو جسکو نصیب ہو اپنا اپنا کھانا لے آئے اور یہاں مل بیٹھ کر ان کے نام سے کھالیں۔"

پھول والی بیگم کی رائے سے سب نے اتفاق کیا اور جلسہ سے متفقہ آواز آئی کہ بہت خوب ضرور چاہیئے کل ہم سب جو خدا نے دیا اللہ چاہے مغرب کے وقت لے کر حاضر ہو جائیں گے۔

اب پو پھٹ رہی تھی اور ہوا اور پرند روز روشن کی آمد کا غلغلہ بلند کر رہے تھے کہ گوہر آرا بیگم نے کہا "اچھا بھائی بہنوں خدا حافظ اصل خیر سے شام کو پھر جمع ہونگے اور آج اپنے مرنے والوں کا چالیسواں کرینگے۔"

جلسہ برخاست ہوا اور لوگ اپنے اپنے گھر رخصت ہوئے مگر شام سے پہلے ہی خلقت انواع و اقسام کے کھانے لیکر آ پہونچی۔

افسوس ہے مجھے آج ٹھیک یاد نہیں مگر اتنا خیال ضرور ہے کہ دیگوں کی گنتی نہ تھی چاروں طرف زردہ بریانی پھیلا ہوا تھا بلا مبالغہ سو سوا سو دیگیں ہوں گی یہ کہنا ہی مشکل ہے کہ کتنے اور کونسے خاندان شریک ہوئے مجھے جہاں تک یاد ہے شاید ہی کوئی گھر بچا ہوگا زمین آدمیوں اور کھانے سے پٹ رہی تھی۔ کھانا شروع ہونے سے پہلے حمید مخبر اور اسکا چھوٹا بھائی جس کا نام مجھے اس وقت یاد نہیں۔ گوہر آرا بیگم کو دکھائی دئے گئے دیکھتے ہی آپے سے باہر ہو گئیں اور کہنے لگیں۔

"ارے جوانا مرگ حمید تو نے تھوڑی مصیبت توڑی ہے کمبخت مخبر دادے بچے تیری بدولت یتیم ہوئے بہنیں دو دو مہینہ کی دلہنیں تیرے ہاتھوں رانڈیں ہوئیں تو نے بھرے پڑے گھر اُجاڑے اور جوان شوہروں کو جو ہمارے آس نراس پھانسی پر لٹکوا دیا آج۔ نیک بنکر کھانا کھلانے اور ثواب پہونچانے آیا ہے! اسی وقت یہاں سے دور ہو اور نکل جا نہیں تو یاد رکھیو اتنی جوتیاں ماروں گی کہ بھیجا پلپلا ہو جائے گا نوسو چوہے

کہاکربلا کو چلی۔ سارے شہر کو پکڑ داکر گھر گھر کہرام مچوا چکا اب چالیسویں میں شریک ہوا۔ موئے بے غیرت غارت ہو یہاں سے گوہر آرا بیگم کا غصہ لمحہ بہ لمحہ بڑھتا تھا خلقت انکے ساتھ ہو گئی۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ دم بھر میں حمید کی تکا بوٹی ہو جاتی کہ پھول بیگم نے آواز لگائی۔

"لپٹیں آرہی ہیں سوتیا کی"

یک صدا کے ساتھ ہی ایک قہقہہ گونجا اور خود گوہر آرا بیگم کے چہرے پر مسکراہٹ آگئی، تو پھول والی بیگم نے کہا بڑی آپا جان اس ناشدنی نے جو کچھ کیا آپ بھگتیں گی یہ جانے اور اس کا خدا جانے تم نے سنا نہیں مردہ دو جوانوں کو روند چکا لڑکے کی مچھاتی دھشں گھر سے نکلی۔ خاصی اچھی بھلی چنگی بیٹی گھڑی بھر میں چٹ پٹ ہو گئی۔ وہ کس بل سب نکل گیا اب تو اپنے کرکرتوتوں کو روتا ہے یہ جانے اور اس کا خدا۔ آگیا ہے تو آنے دیجئے ایسا ہی ہے تو اس کے کھانے پر لعنت بھیجئے اور کتوں کو کھلا دیجئے مگر زمین تو اللہ کی ہے ہم کیوں نکالیں۔ پھول والی بیگم کے ساتھ ہی کچھ لوگ بھی گئے اور فیصلہ یہ ہوا کہ اس کے کھانے کو کوئی ہاتھ نہ لگائے۔ بیٹھا ہے تو بیٹھے رہنے دو۔

حمید کا نام سنتے ہی چاروں طرف سے خلقت نے اسے گھورنا شروع کیا گو پھول والی بیگم کی رائے سے کچھ آدمی متفق بھی ہو گئے مگر ہر طرف ایسی ٹھن ٹھن ہوئی کہ اسکی بیٹھنا مصیبت ہو گیا اور دونوں بھائی آنکھ بچا ایسے چمپت ہوئے کہ پھر صبح تک انکی صورت نہ دکھائی دی۔

دس بجے ہونگے یا بجنے والے ہونگے کہ مولوی نور اللہ خاں نے باآواز بلند

فرمایا جب یہ کھانا چالیسویں کا ہے تو ایصال ثواب کے واسطے پہلے ختم ہو اس کے بعد کھانا کھایا جائے انکی رائے پسند کی گئی اور بسم اللہ انہوں ہی نے کی۔

دلی میں آج بہت سے حافظ ہیں اور خدا کا شکر ہے رمضان المبارک میں یہ سینکڑوں مسجدیں آباد ہو جاتی ہیں اور شاید ہی کوئی ایسی مسجد ہو جہاں تراویح نہ ہوتی ہو ختم بھی ہوتے ہیں کلام اللہ بھی پڑھا جاتا ہے لیکن نہ معلوم اس دور کے حافظ کیسے تھے انکی آوازوں میں کیا جادو اور دل میں کیسا درد تھا کہ مجمع پر سناٹا چھا گیا ہزارہا آدمیوں کا ٹھٹ مگر سانس تک کی آواز نہ تھی شہر کے مشہور حافظ امیر اللہ خاں کو پہلی مرتبہ میں نے وہیں سنا اور دیکھا حافظ وزیر نے باوجود بخار کے مصری لہجہ میں ایک رکوع اس طرح پڑھا کہ آنسو نکل پڑے اس کے بعد تو مجلس کا رنگ ہی بدل گیا سب کی ہچکیاں بندھی ہوئی تھیں ختم کے بعد سلیمہ سلطان نے نعت پڑھی اور دلوں کے ٹکڑے اُڑا دئے اور بیویاں بھی پڑھنے کا ارادہ کر رہی تھیں مگر گوہر آرا بیگم نے کہا کہ بس اب پہلے کھانا کھایئے گیارہ بجے ہیں باسی ہو جائیگا کھانے میں خاصے ڈھائی تین گھنٹے صرف ہوئے دو بجے کے قریب فارغ ہوئے تو امی خاں نے جو شہر کا مشہور گویا تھا بادشاہ کی ایک غزل اس وقت کی مجلس کا یہ حال تھا کہ کلیجہ منہ کو آرہا تھا مجھے غزل یاد نہیں مگر قدسی کی غزل پر بادشاہ کی تضمین تھی اسی کے بعد اور لوگوں نے بادشاہ کی غزلیں پڑھیں اور یہ رات اسی طرح ختم ہوئی تو حافظ رحمت نابینا نے بلند آواز سے فرمایا۔

"ہمیشہ رہے نام اللہ کا"

تھا اسکا بڑا بھائی چارپائی پر ڈالکر گھر لیگیا اور کسی حکیم کو لایا وہاں جاکر کیا گذری یہ تو خبر نہیں ہاں یہ سُنا تھا کہ کتّے کی طرح ڈیڑھ دو گھنٹے بھونکتا رہا آخر اسی طرح تڑپ تڑپ کر جان دیدی۔ عصر کی نماز میں اسکا جنازہ مسجد میں آیا مگر ایک مسلمان نے بھی نماز نہ پڑھی بڑی مشکل سے آغا حیدر اور مولوی سلیمان صاحب کے سمجھانے بجھانے سے کوئی پانچ سات آدمی شریک ہو گئے اور اسی طرح مغرب سے پہلے پہلے اس بدبخت کا جنازہ قدم شریف میں پہونچا اور رات کے اندھیرے میں جبکہ دشمنی بھی برائے نام تھی گورکنوں نے اوندھا سیدھا دبا دیا۔ اس کی موت نے ساری دلّی کو سبق دیا اور مدتوں اسکا چرچا شہر کے بچّے بچّے کی زبان پر رہا۔

اس کم بخت کی لاش پر چاروں طرف سے لعنت برس رہی تھی اور اگر دو چار آدمی بیچ بچاؤ نہ کرتے تو خدا معلوم اسکا کیا حشر ہوتا۔ شاید شہر والے اسکی بوٹی بوٹی کر ڈالتے۔ بڑے بھائی کی جو شامت آئی تو بھول کر بیٹھا لیکن شہر والے تو در کنار محلہ کا بھی کوئی آدمی جاکر نہ بیٹھا پھاٹک حبش خاں میں مولوی احمد اللہ صاحب کا یتیم خانہ تھا۔ کھانا وہاں بھیجا مگر انہوں نے بھی لینے سے انکار کر دیا اب یہ نہ معلوم کہ کتوں نے کھایا یا بلیوں نے بہر حال اس کی موت کا وہ حشر ہوا کہ خدا دشمن کو بھی نصیب نہ کرے

شہر میں سب امن ہی امن تھی مگر دلّی والوں کے دل بادشاہ کے ساتھ اس اطمینان کو رو رہے تھے جو غدر سے پہلے نصیب تھا گوروں کے رعب کی یہ کیفیت تھی کہ اگر دور سے صورت نظر آ جاتی تھی تو بعض اللہ کے بندے تو کانپ جاتے تھے۔

غدر کے بعد جو انقلاب ہوا وہ ایسا نہ تھا کہ دلّی اسکو آسانی سے فراموش کر دیتی ہزار ہا کماتے پیتے دو دو دانوں کو محتاج ہو گئے جن کے گھروں پر گھوڑے بندھے ہوئے تھے ان کو روٹی تک نصیب نہ تھی جمنا ان بدنصیبوں کا پیٹ بھی بھر رہی تھی اور دل بہلا رہی تھی صبح اُٹھے اور مچھلی کی ڈور کانٹے لیے اور دریا پر پہونچ گئے

وہ یہ کہہ کر کھڑے ہوئے وضو کیا اور ایسی اذان دی کہ میلہ گونج اٹھا نماز حافظ ضمیر نے پڑھائی اور اس کے بعد ایک دفعہ اور غدر میں مرنے والوں کی پاک روحوں کو ثواب پہونچایا گیا اور بادشاہ کی درازی عمر کی دعائیں ہوئیں۔

میلہ صبح ہی اکھڑ گیا تھا اور دلّی والے اپنے اپنے کاموں میں پھنس گئے تھے کہ دوپہر کے قریب اسی حمید مخبر کی اچانک موت کی خبر شہر میں پھیل گئی اس کی موت کے واقعات اس قدر تعجب انگیز ہیں کہ بیساختہ خدا کی قدرت یاد آ جاتی ہے۔

خاصا بھلا چنگا دن کے گیارہ بجے تک چاروں طرف پھرا محلّہ کے ایک بڈھے آدمی کو مارا۔ کئی ایک کو گالیاں دیں۔ ایک ایک سے لڑا اور مرزا احمد سے تو یہاں تک کہا کہ رات کو تو خوب بچ گئے۔ تو بھی میرا نام حمید جو تمکو شہر کا رستہ بھلوا دوں جب میں مخبری پر ٹھہر گیا تو اب پوری ہی مخبری کرونگا اور سب کو چھٹی کا کھایا یاد دلا دونگا وہ فیل کا نیل بنا ہوا تھا جسکی طرف منہ کیا وہی سہم گیا۔ ایک بجے دونوں ہاتھوں میں دو گنّے لیے چوراہے کی طرف سے آ رہا تھا سامنے سے ہاتھ کو جھکڑا ہوا تھا لٹھ ہاتھ پر اوپلوں کے گدھے سامنے سے بیچاری شمّو لٹکو کرا لیے آ رہی تھی۔ بچکر نکلتا تھا کہ بڑھیا کی ٹکر لگی اس کی ٹوکری نیچے گری اور اس نے جوانی کے زور میں وہ تین گنّے سر پر ایسے مارے کہ غریب خون خون ہو گئی مگر خرانٹ گالیاں دیتا ہوا آگے بڑھ گیا عورت خون پونچھ اُٹھ کھڑی ہوئی اور ٹوکرا سر پر رکھ آگے بڑھی مگر نہ چلا گیا اور آگے جاکر پھر گری۔

حمید اینٹھتا ہوا چلا جا رہا تھا چلتے چلتے کلیجہ میں درد اٹھا ہائے ہائے کہتا ہوا زمین پر گرا۔ خون کی قے ہوئی۔ ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو گئے۔ آنکھیں پھر گئیں۔ لوگوں کا ٹھٹ کا ٹھٹ لگ گیا۔ جو تھا وہ لعنت بھیج رہا تھا اور خدا کی قدرت کے تماشے دیکھ رہا

کوئی رات کی بچی پکائی باسی کوسی روٹی نعمت میں ماری دو چارپان کے ٹکڑے مٹی کا حقہ ساتھ لیا اور روہیں شام کردی۔ اگر کوئی مچھلی پھل گئی تو نہیا محلہ بھر میں عید ہو گئی جو کچھ بھی کچھ باقی بچا کبھائی کچھ رکھتی۔ نہیں تو چپکے سے آ کچھ موجود ہوا تو کھا کر ورنہ فاقے سے چپکے سے پڑ رہے۔

شہزادوں کا یہ خاندان غدر کے بعد کچھ شادی بیاہوں کے اور کچھ کام کے سلسلے میں منتشر ہو کر دوسرے شہروں میں پہونچ گیا۔ جس وقت کا ذکر ہے اس وقت دلی شہزادوں سے کچھ کچھ بھری ہوئی تھی مگر افلاس نے ایسی بری گت بنادی تھی کہ روٹی تھی تو کپڑا نہ تھا اور کپڑا تھا تو روٹی نہ تھی۔

دلی میں جو میلے اس سے پہلے ہوئے وہ میں نے نہیں دیکھے مگر اس کے بعد میلے بھی دیکھے دربار بھی دیکھے جلسے اور محفلیں بھی دیکھیں۔ لیگیں اور کانفرنسیں بھی دیکھیں مگر جو صورتیں میلے میں نظر آگئیں وہ تو پھر کیا نظر آتیں اُن جیسی بھی پھر دیکھنے میں نہ آئیں۔ ہاں پھول والی بیگم جب تک زندہ رہیں انکی لہکار اور انکے پھولوں کی مہکار وہ سماں یاد دلاتی رہی۔

برجیس دولہن جو اس میلے کی جان اور گوہر آرا بیگم جو اس برات کی دولہن تھیں بہت روز تک زندہ رہیں۔ برجیس دولہن کلاں محل کے پاس رہتی تھیں مگر گوہر آرا بیگم اپنی نند کے ساتھ سلطان جی چلی گئی تھیں کبھی کبھی پھول والی بیگم کے ہاں ان شہزادیوں کا جمگھٹا ہو جاتا تھا۔ عید اور بقرعید پر سب کی سب پھول والی بیگم کے ہاں جمع ہوتی تہیں اور رنگ رلیاں منالیتی تھیں۔ قطب میں بھی اندھیری باغ میں ایک برسات میں نے اس میلے کے چار یا پانچ سال بعد شہزادیوں کو دیکھی ہے جھولے پڑے ہوتے تھے اور آم جامنوں کی جھلیاں رکھی ہوئی تھیں۔

کڑہائیاں چڑہی ہوئی تہیں اور پینگیں بڑھ رہی تھیں۔ پھول والی بیگم جس وقت جھولے میں بیٹھی ہیں تو گوہر آرا بیگم انکے ساتھ پاؤں جوڑے بیٹھی تھیں۔ سلطان بیگم اور برجیس دولہن جن کے ساتھ یا اور بہت سی بیبیاں تہیں جھولا جھول رہی تہیں پھول والی بیگم نے جس وقت یہ ملہار شروع کیا ہے۔

"جھولو جُھلاتے ناگن ڈس گئی"

تو باغ گونج اٹھا تھا۔ شام تک چہل پہل رہی۔ گوہر آرا بیگم کو میں نے اس کے بعد نہیں دیکھا۔ سُنا ضرور کہ زندہ ہیں اسی طرح برجیس دولہن بھی پھر نظر نہ آئیں ہاں پھول والی بیگم کی صدا روز رات کو بلند ہوتی تھی وہ کبھی کبھی جب جی چاہتا تھا تو خود ہی بادشاہ کی کوئی غزل الاپتی تھیں مگر جہاں انہوں نے غزل شروع کی اور دوکان کے آگے بھیڑ لگی۔ رات کے سناٹے میں شاید ہی کوئی ایسا سنگدل ہوتا ہوتا ہوگا جس کے کلیجے میں بیگم کی آواز نہ گھستی ہو۔

افسوس یہ ہے کہ بیگم کے سوا جنکو سرکار سے کچھ نہ ملتا تھا باقی اور سب شہزادیوں کی جنکو ماہانہ وظیفہ مل رہا تھا حالت نہایت ردی تھی ٹھیک یاد نہیں مگر گوہر آرا بیگم کے ہاں سب مل جل کر پچاس روپیہ کم کا وظیفہ نہ ہوگا مگر انکے نندوئی اور دیور بھنگ، چرس، چنڈو، کبوتر، مرغ، گلدم ہر رنگ میں رنگے ہوئے تھے یقینی طور پر تو کہنا مشکل ہے مگر گمان غالب ہے کہ مہینے میں ایک آدھ فاقہ ضرور تو آتا ہوگا۔ نکی بھتیجی قمر آرا جکو انہوں نے بیٹی بنا لیا تھا پہلی بیوی کے مرجانے کے بعد سلطان دولہا سے بیاہی گئی۔ یہ سب ہی گنوں پورے تھے لمبی سفید ڈاڑھی تھی مگر چوک پر ردزانہ کبوتر ہاتھ میں لیے موجود ہوتے تھے۔ ٹوپی تو چکٹ ہوتی تھی، مگر ہوتی وہی شاہانہ تھی میں نے انکو چوک

پر لتیھڑے پہنے اور ننگے پاؤں پھرتے دیکھا ہے۔ گوہر آرا بیگم اور سلطان دولہا کے بعد اس لڑکی قمر کی حالت بہت ابتر ہو گئی۔ بچہ کوئی نہ تھا اور اس قابل بھی نہ رہی تھی کہ نکاح کر لیتی چالیس پینتالیس برس کی عمر ہو گی مگر افلاس نے قبل از وقت بڑھاپے کے ڈیرے ڈال دئے تھے وہ پھرتی پھراتی میرے ماموں کے ہاں ماما گیری کے واسطے آئی اور ایک روپیہ مہینہ اور روٹی پر نوکر ہو گئی اس کی عمر غدر میں سات آٹھ برس کی ہو گی مصائب کے تمام پہاڑ اس کے سر سے گذر چکے تھے۔ خاندان تیموریہ کی تباہی و بربادی میں وہ برابر کی شریک تھی اور اس کی زندگی کی تیمار ہی تھی کہ کس طرح بیبیوں پر سونے والیاں خاک ہیں۔

رات کے وقت جب بوا قمر، جن کو بچے خالہ خالہ کہتے تھے کام کاج سے فارغ ہو جاتیں تو ان کے پاس جا بیٹھتے اور وہ غدر کی داستانیں اس طرح سناتیں کہ بعض دفعہ بڑے بوڑھے بھی شوق سے سنتے انہوں نے اپنی آنکھ سے ایسے ایسے خاندانوں کی بربادی دیکھی تھی کہ شکر بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے تھے اور میری رائے میں تو وہ خود بھی انقلاب کی پوری تصویر تھیں ان کا پھٹا ہوا برقع اور ٹوٹی ہوئی جوتی اس وقت تو نہیں مگر آج عالم تخیل میں میرے واسطے درس عبرت ہے اب تو نہ وہ لوگ رہے نہ وہ باتیں رہیں۔ ہر جگہ رہی بھی دکھائی دیتی ہے مگر جن جن پر مصیبتیں پڑیں وہ نہ رہے مگر ان کی دل ہلا دینے والی داستانیں اور ان کی ہوش ربا جیبتیں آج بھی لوگ بڑے شوق سے سنتے ہیں اور آنسو بہاتے ہیں اور بہاتے رہیں گے

تمت

وداعِ ظفر

علامہ راشد الخیری مرحوم کے قلم سے جو تصویر نکلی وہ غم کا مجسمہ بن کر رہ گئی۔ غدر ۵۷ء کی ہلا دینے والی داستانیں جس انداز سے انہوں نے پیش کی ہیں اس کا جواب ہو ہی نہیں سکتا۔ ان کی تحریر جذباتِ غم کی سچی ترجمانی ہوتی ہے۔

بیلہ میں میلہ آپ نے پڑھا۔ **وداعِ ظفر** بھی پڑھیے اور اپنی عظمت رفتہ پر آنسو بہائیے۔

قیمت۔ مجلد مع گرد پوش 2/4

ودِاعِ ظفر

علامہ راشد الخیری مرحوم کے قلم سے جو تصویر نکلی وہ غم کا مجسمہ بن کر رہ گئی۔ غدر ۱۸۵۷ء کی ہلا دینے والی داستانیں جس انداز سے انہوں نے پیش کی ہیں اس کا جواب ہو ہی نہیں سکتا۔ ان کی تحریر جذباتِ غم کی سچی ترجمانی ہوتی ہے۔

بیلہ میں میلہ آپ نے پڑھا۔ ودِاعِ ظفر بھی پڑھیے اور اپنی عظمت رفتہ پر آنسو بہایئے۔

قیمت۔ مجلد مع گرد پوش 2/4

نقدِ میر!

خدائے سخن میر تقی میر کے حالات اور ان کی شاعری پر ایک نئے زاویۂ نظر سے تنقید

جس طرح میر تقی میر اردو کے شعری ادب میں اپنا ایک منفرد مقام رکھتے ہیں اسی طرح یہ کتاب اردو کے تنقیدی ادب میں ایک نمایاں حیثیت کی مالک ہے

قیمت چھ روپے آٹھ آنے

کتب خانہ نذیریہ دہلی